اپریل
2026

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان
ماہ نامہ
مبارک پور

اشرفیہ

اسلام کام کو محض دنیاوی سرگرمی نہیں سمجھتا بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیتا ہے، بشرطے کہ اس کے ساتھ نیت صالح ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انسان نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا"۔ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ محنت ہی عزت کا ذریعہ ہے اور رزق حلال روحانی بالیدگی پیدا کرنے کا واحد کارآمد انسٹرومنٹ۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو کوئی کام کرے تو اسے احسن طریقے سے انجام دے"۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وقت کی قدر صرف اس میں نہیں کہ کتنے گھنٹے کام کیا گیا، بلکہ اس میں ہے کہ کام کس معیار اور اخلاص کے ساتھ کیا گیا۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبد الحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 51 شمارہ 4

اپریل 2026ء

شوال 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : **مبارک حسین مصباحی**

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ٢٧٦٤٠٤

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		اسلامک ٹائم مینجمنٹ — مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	گھر میں آنے جانے کے آداب واحکام — محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	12
فقہیات	آپ کے مسائل	اضاحی پروجیکٹ کے ذریعہ قربانی اور تدابیر — مفتی محمد نظام الدین رضوی	15
تحقیقات	شواھد ونتائج	توثیق النسبۃ — ترجمہ: ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی	17
نظریات	فکر امروز	ہندوستان کا معاشی نظام اور اس کی حقیقی صورت حال — مزمل حسین	20
اسلامیات	شعاعیں	لکی ڈرا کے ذریعے عمرہ وحج کا شرعی حکم — مفتی محمد سطبین رضا مرتضوی	23
		مطالعۂ اصولِ حدیث کی ابتدا — عمران رضا عطاری مدنی	27
شخصیات	انوار حیات	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ — مولانا تحسین رضا نوری	29
سیاسیات	آئینۂ عالم	ایران تو وہی کر رہا ہے جو اس نے کہا — روحان احمد	32
تاریخیات	یادِ ماضی	ساور کر کی دیش بھکتی اور ارون شوری کے انکشافات — مہتاب پیامی	34
طبیات	حفظان صحت	ماحولیاتی تبدیلی — ڈاکٹر ام فرح	39
بزم خواتین	چراغ خانہ	حلالہ کی حقیقت اور جدید اعتراضات کا علمی جائزہ — سلمٰی شاہین امجدی	41
بزم دانش	فکر ونظر	پاکیزہ سیاست اہل اسلام کے عروج کا باعث — سید صغیر احمد نقشبندی	44
		اسلام کا سیاسی نظام اور دورِ حاضر — محمد حسین	47
ادبیات	گوشۂ ادب	سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری — مولانا طفیل احمد مصباحی	49
مکتوبات	صدائے بازگشت	○ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی ○جاوید بھارتی	53
سرگرمیاں	عالمی خبریں	ڈاکٹر جلال عبد الصادق محمد، ایک عظیم سائنسدان کی رحلت	55
	خیر وخبر	○پنکچر ساز سرفراز نے پُل تعمیر کر دیا ○تلنگانہ 800 سال پرانی درگاہ منہدم	56
منظومات	خیابانِ حرم	نعتیں. ○عاصی کرنالی ○سرو سہارن پوری	58

اداریہ

اسلامک ٹائم مینجمنٹ

فرصت کے لمحات کا مثبت استعمال

مہتاب پیامی

ہم اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ فرصت کے لمحات انسان کو ذرا کم ہی میسر آتے ہیں۔ زندگی کام کی ڈور میں اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، کثرتِ کار نے ہمارے وجود پر اس طرح قبضہ جما لیا ہے کہ ہماری ساری توانائی صرف روزگار کے گرد گھومنے میں خرچ ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت میں کام کا بنیادی مقصد پیداوار میں اضافہ اور منافع کی زیادہ سے زیادہ شرح ہے۔ اس زاویے سے دیکھا جائے تو مزدور یا ملازم ایک زندہ انسان نہیں بلکہ "پروڈکشن یونٹ" ہیں۔ اور پروڈکشن یونٹ ہونے کی وجہ سے بحیثیت انسان، انسان کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ اہم صرف اس کی کارکردگی ہے۔ اس پر ہر وقت یہ دباؤ رہتا ہے کہ وہ مسلسل پروڈکشن یونٹ بنا رہے، خواہ اس عمل میں اس کی صحت جواب دے جائے یا اس کی خانگی زندگی مسائل کی شکار ہو جائے۔ کارکردگی کی اس مسلسل دوڑ میں ایک مخصوص کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے نفسیات کی زبان "احتراقِ نفسی" یا بلفظِ دیگر "برن آؤٹ" Burnout کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جس میں انسان باہر سے کامیاب تو ضرور نظر آتا ہے مگر اندر سے اس کا وجود مسلسل آتش فشانی مظاہروں میں مبتلا نظر آتا ہے۔

آج کی تیز رفتار دنیا میں خود کو منوانے کی تگ و دو، قابلیت ثابت کرنے کی بے قراری، اور کمر توڑ مہنگائی کے اس دور میں زیادہ سے زیادہ کمانے کی مجبوری، یہ سارے عوامل مل کر انسان کو طویل اوقاتِ کار کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ بے روزگاری کے عالمی انڈکس کو دیکھا جائے تو کروڑوں افراد بے روزگار نظر آتے ہیں، ایسے میں کوئی فری لانسر ہو یا کارپوریٹ دنیا کا ملازم، ہر ایک کو اپنے روزگار اور ملازمت کے چھن جانے کا خوف رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ دوہری ملازمت اختیار کرتے ہیں یا ملازمت کے اوقات کے بعد کسی دوسرے ذریعۂ معاش کو بھی بدرجۂ مجبوری اختیار کرتے ہیں تاکہ اپنے خاندان کی بڑھتی ہوئی ضروریات پوری کر سکیں، ای ایم آئی کے جال سے نکل سکیں، یا کم از کم ایک باعزت زندگی گزار سکیں۔

دنیا اب ڈیجیٹل ہو چکی ہے اور "ورک فرام ہوم" نے تو کام اور زندگی کے درمیان کھینچی ہوئی لکیر ہی مٹا دی ہے۔ اب دفتر کی دیواریں گھروں کے اندر اٹھ چکی ہیں، وہ گھر جو کبھی سکون اور اطمینان کا مرکز ہوا کرتا تھا، اب اسکرینوں، ای میلز اور آن لائن میٹنگز کا سیمینار ہال بن چکا ہے۔ انسان جہاں بھی ہو، کام اس کے تعاقب میں رہتا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ کام سے متعلق ذہنی بیماریاں اور دباؤ کی کیفیتیں پہلے سے کہیں زیادہ عام ہو چکی ہیں۔ آج ہر آدمی سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہر وقت متحرک اور دستیاب رہے، یعنی سچ پوچھیے تو آج لوگ ایک دوسرے کے غلام ہیں، بغیر زنجیر کے غلام۔

جدید فلسفے نے ایک خطرناک تصور کی بنیاد رکھی ہے، اس کے مطابق **"وقت ہی دولت ہے"**۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ وقت دولت ہے لیکن اس کارپوریٹ دور میں اس جملے نے وقت کی معنوی وسعت کو سمیٹ کر اسے صرف مالی و معاشی قدر تک محدود کر دیا

payamee@gmail.com 9235647041

ہے، یعنی جدیدیت کے مطابق ہر وہ لمحہ جو دولت میں تبدیل نہ ہو سکے، وہ ضائع شدہ لمحہ ہے۔ اس طرز فکر نے انسانی قدروں کو بھی کاروباری منطق میں ڈھال دیا ہے۔ صلہ رحمی، بھائی چارہ، آپسی میل محبت، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت، یا کسی دوست کے ساتھ بیٹھ کر وقت گزارنا، یہ ساری چیزیں کارپوریٹ فکر کو غیر نفع بخش سرگرمیاں محسوس ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج **آپسی تعلقات منافع بخش معاہدے کے اسیر اور خلوص مادّی افادیت کا غلام نظر آتا ہے۔**

ایک زمانہ تھا جب بڑے لوگ کم کام کرکے یا بالکل ہی کام نہ کرکے اپنی وجاہت کا اظہار کیا کرتے تھے مگر آج معاملہ برعکس ہے، آج تو مصروف رہنے میں ہی وقار سمجھا جاتا ہے۔ لوگ اپنی "مصروفیت" کو کامیابی کی علامت کے طور پر فخریہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ آج خودداری کا معیار یہ نہیں رہا کہ وقت کو کس شعور کے ساتھ استعمال کیا گیا، بلکہ یہ ہے کہ آدمی کتنا زیادہ مصروف ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ زیادہ کامیابی، اونچی سماجی حیثیت، یا بہتر معیار زندگی کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ مگر اس تیز رفتار دوڑ کے نتائج بھی کچھ کم برے نہیں نکلتے۔ جسمانی تھکن، ذہنی بے چینی، تخلیقی صلاحیتوں کا زوال، وغیرہ وغیرہ، یہ ساری چیزیں کسی خون آشام چڑیل کی طرح انسان کے وجودی لہو کو قطرہ قطرہ کرکے پی جاتی ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ **"جب ہر فیصلہ فوری نتیجے کے دباؤ میں کیا جائے تو تجربہ اور سیکھنے کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ ناکامی کا خوف علم کی جستجو پر غالب آجاتا ہے اور جب کام خود مقصد بن جائے تو زندگی کے بڑے معانی پس پشت چلے جاتے ہیں۔ سفر تو جاری رہتا ہے مگر منزل کا احساس کھو جاتا ہے۔"**

ان حالات میں کامیابی کی تعریف و توضیح کو از سرِ نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے، ایسی تعریف پیش کرنے کی ضرورت ہے جس میں مالی استحکام کے ساتھ ذہنی سکون، رشتوں کی گرمی اور زندگی کا معنی بھی شامل ہو۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب انسان فرصت کے لمحات کو شعوری طور پر سنبھالے۔ کیوں کہ اصل میں فرصت ہی وہ آئینہ ہے جس میں آدمی خود کو بغیر کسی بناؤ سنگار کے حقیقی روپ میں دیکھ سکتا ہے۔ فرصت کا وقت ہی یہ متعیّن کرتا ہے ہم صرف کام کرنے والی مشینیں نہیں ہیں بلکہ اپنے اندر ایک حساس دل اور اخلاص مند روح رکھنے والے انسان بھی ہیں۔

انسان کی وجودی شناخت اور اس کا خلا:

آج کی دنیا رفتار، دباؤ اور مسلسل شور سے بھری ہوئی ہے۔ خبروں کی یلغار ہے اور ہر خبر کے ساتھ درجنوں اشتہار بھی زبردستی انسان کے دماغ میں ٹھونسے جا رہے ہیں، اسکرینوں کی چمک دمک میں تصویروں پر تو نگاہیں جمی ہوئی ہیں لیکن انسان اور انسانیت، دونوں آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہیں، ہر چہار جانب مقابلے کی دوڑ ہے، چھوٹے بڑے مرد و خواتین سب بھاگ رہے ہیں۔ مگر ان سب کے درمیان انسان خود ایک گہرے سوال سے دوچار نظر آتا ہے، "میں کون ہوں؟ کس لیے ہوں؟" اس قسم کے سوالات اکثر کچھ ذہنوں کو ستاتے ہیں۔

میں کہوں کہ اس آپادھاپی کے ماحول میں "فرصت" صرف خالی وقت نہیں بلکہ اپنے آپ سے ملاقات کا موقع ہے، مقصد کی تجدید کا موقع ہے، راستے کی درستی کا موقع ہے۔ اگر "فرصت" کو شعوری طور پر برتا جائے تو یہی لمحات انسان کو اندرونی توازن، فکری وضاحت اور روحانی سکون عطا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک اور قسم کا خلا بھی ہے جو گھڑی کے اوقات سے وابستہ نہیں، وہ ہے "وجودی خلا" وہ ایسا خلا ہے کہ جس میں انسان دن بھر مصروف رہنے کے باوجود اندر سے خود کو خالی محسوس کرتا ہے۔ اس کی زندگی میں سرگرمیاں تو بہت ہوتی ہیں، مگر معنی کم ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کیفیت محض وقت کو بھر دینے سے ختم نہیں ہوتی، کیوں کہ اس کی جڑیں گہری ہیں۔

جدید انسان اکثر اپنی اس اندرونی کمی کو سطحی مصروفیات سے ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسکرینوں، تفریحات اور مسلسل مصروفیت کے ذریعے وہ خود سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبراتا ہے، کیوں کہ تنہائی آئینہ بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ زندگی حقیقت کی بجائے نمائشی تصویروں میں بدل جاتی ہے۔ تعلقات، اشیا اور تجربات، سب وقتی، تیز رفتار اور سطحی ہوجاتے ہیں۔ یہ سب وقتی تسکین تو دیتے ہیں مگر مضبوط شناخت اور دیرپا سکون فراہم نہیں کرتے۔ یہ مصروفیت دراصل تکمیلیت کا وہم ہے، جو انسان کو اس کے اصل خلا سے غافل رکھتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان روزمرہ کی دوڑ سے ہٹ کر کچھ لمحے اپنے لیے مخصوص کرے، خود سے گفتگو کرتے ہوئے غور وفکر کے ساتھ اپنے باطن کو سنوارے۔ جب انسان شعوری طور پر اپنی ذات کی تعمیر کرتا ہے تو وقت کی تنظیم محض عملی مہارت نہیں رہتی بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی عمل بن جاتی ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں سے مصالحت کرنا سیکھتا ہے، زندگی کے نشیب و فراز میں لچک پیدا کرتا ہے، اور آہستہ آہستہ باطنی سکون تک پہنچتا ہے۔ فرصت کے لمحات کا درست استعمال اصل میں اس بات کا اعلان ہے کہ انسان صرف ٹیکنالوجی کا اسیر نہیں، بلکہ ایک باشعور وجود ہے جو اپنے وقت کو معنی عطا کرسکتا ہے۔

فرصت کے لمحات کی مفید سرگرمیاں:

فرصت کے لمحات کو صرف جسمانی آرام یا وقتی تفریح تک محدود کرنا ان کی وسعت کو کم کردینا ہے۔ یہ وقت اگر درست سمت میں لگایا جائے تو علم، صحت، رشتوں اور سماجی خدمات میں تنوع اور بہتری لائی جاسکتی ہے۔ مطالعہ، تخلیقی سرگرمیاں، ورزش، فنی مشاغل، یہ سارے عوامل صلاحیتوں کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ ذہنی توانائیوں کو تازہ کرتے ہیں، اس طرح جب انسان دوبارہ کام کی طرف لوٹتا ہے تو صرف بار بردار مزدور نہیں ہوتا بلکہ تازہ حوصلے اور واضح شعور کا متحرک اور زندہ استعارہ ہوتا ہے۔

اگر کام انسان کی پوری زندگی کو گھیر لے تو وہ رفتہ رفتہ ایک کارآمد مگر بے روح مشین میں بدل جاتا ہے۔ اگر فرصت کے لمحات کو علم وعمل، صحت و تندرستی اور سماجی تعلقات اور خانگی رشتوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جائے تو زندگی میں توازن پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اپنے گھر خاندان کے ساتھ وقت گزارنا، دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، بزرگوں کی دل جوئی کرنا، بچوں پر مشفقانہ نگاہ رکھنا، یہ سارے رنگ مل کر زندگی کو قوس وقزح میں تبدیل کرسکتے ہیں۔ اسی طرح رضاکارانہ خدمات، کسی ضرورت مند کی مدد اور معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا انسان کو اپنی ذات سے بلند کرکے ایک وسیع تر معنوی دائرے میں داخل کرتا ہے۔ جب انسان دوسروں کے لیے وقت نکالتا ہے تو دراصل وہ اپنے وجود کو وسعت دیتا ہے۔ یاد رکھیں اگر کام زندگی کی ضرورت ہے تو "فرصت" اس کی روح، اور جس زندگی میں روح باقی نہ رہے، وہاں کامیابی بھی ادھوری رہ جاتی ہے۔ فرصت ایسا وقفہ ہے جس میں انسان اپنی تھکن اتار سکتا ہے، کمر سیدھی کرسکتا ہے، اطمینان کا سانس لے سکتا ہے اور اپنے باطن کے شیشے پر جمے ہوئے گرد وغبار کو جھاڑ سکتا ہے۔ کام کی مشینی رفتار سے نکل کر جب آدمی چند لمحے خود کو دیتا ہے تو وہ صرف آرام نہیں کرتا بلکہ اپنی ذہنی وجذباتی توانائی کو بھی بحال کرتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس ایک کیفیت اور بھی ہے: سستی اور لاپروائی کی۔ یہ وہ حالت ہے جس میں انسان تعمیری آرام کی بجائے طویل بے مقصد مصروفیت میں پناہ لیتا ہے، گھنٹوں اسکرین کے سامنے بیٹھ کر لایعنی کاموں میں اپنا وقت خرچ کرتا ہے، بے سود پوسٹس اور ویڈیوز کے درمیان خود کو الجھا کر وقتی تسکین تو ضرور حاصل کرتا ہے، لیکن پھر اس کے بعد مایوسی، پھر احساسِ جرم، اور پھر ادھورے کاموں کا بوجھ اس کے دل میں اضطراب کی موجیں پیدا کرتے ہیں۔

جدید سرمایہ دارانہ نظام نے فرصت کے وقت کو ایک منڈی بنا دیا ہے۔ اب انسان صرف کام میں پیداوار کا ذریعہ نہیں بلکہ

فرصت میں کھپت کا ذریعہ بھی ہے۔ تعطیلات، سفر، فلمیں، آن لائن گیمز، یہ سب ایک معاشی چکر کا حصہ ہیں۔ اس طرح فرصت کے لمحات سکون کا کم اور صارفیت کا موقع زیادہ بن گئے ہے۔

فرصت کے لمحات اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز:

ظاہری طور پر ڈیجیٹل پلیٹ فارمز انسان کو انتخاب کی آزادی دیتے ہیں۔ مگر در حقیقت الگورتھمز ہماری ترجیحات کا تجزیہ کر کے ہمیں وہی دکھاتے ہیں جو ہمیں زیادہ دیر تک اسکرین سے جوڑے رکھے۔ یوں ہمارا وقت خاموشی کے ساتھ ایک تجارتی وسیلہ بن جاتا ہے۔ ان پلیٹ فارمز کا اعلان کردہ مقصد "آپس میں ایک دوسرے کو جوڑنا" ہے، مگر اس جوڑ گانٹھ کے چکر میں اکثر لوگ تنہائی کا شکار نظر آتے ہیں۔ وہ وقت جو تخلیق، ورزش، غور و فکر، مطالعہ وغیرہ میں صَرف ہو سکتا تھا، نہ ختم ہونے والی اسکرولنگ میں گم ہو جاتا ہے۔ یوں فرصت کا سنہری موقع خاموشی سے ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سوشل میڈیا بذاتِ خود نہ مکمل خیر ہے نہ مکمل شر، محض ایک آلہ ہے، اور ہر آلے کی طرح یہ بھی اپنے استعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر اسے سیکھنے، مثبت رابطے، دعوت، اور صحت مند تفریح کے لیے برتا جائے تو یہ نعمت بن سکتا ہے، ورنہ زحمت۔

اسلامک ٹائم مینجمنٹ:

انسانی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کا وقت ہے۔ مال کھو کر واپس آسکتا ہے، صحت کسی حد تک بحال ہو سکتی ہے، مگر گزرا ہوا لمحہ کبھی واپس نہیں آتا۔ اسی حقیقت کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے نہایت جامع انداز میں واضح کیا ہے، فرماتے ہیں:

"لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَإِلَى أَيِّ مَحَلٍّ صَرَفَهُ." (المبسوط للسرخسی)

یعنی قیامت کے دن بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے اس کی عمر، اس کے علم، اس کے مال اور اس کے جسم کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے۔

حکمتوں کے بیش بہا خزانے تقسیم کرتی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر محض وقت کا بہاؤ نہیں بلکہ ایک امانت ہے، اور امانت ہمیشہ جواب دہی چاہتی ہے۔

اسلامی اور ایمانی نقطۂ نظر سے وقت کا تصور بنیادی طور پر ذمہ داری سے منسلک ہوا ہے۔ مومن جانتا ہے کہ اس کا ہر دن، ہر گھنٹہ اور ہر لمحہ اس کے نامۂ اعمال کا حصہ بن رہا ہے۔ اس کے برعکس جب انسان وقت کو صرف ذاتی ملکیت سمجھتا ہے تو وہ اسے اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرنے میں کسی جواب دہی کا احساس نہیں رکھتا۔ یہی فرق ایمان اور مادّیت کے درمیان ایک بنیادی امتیاز پیدا کرتا ہے۔

ایمانی تصور میں **وقت کا اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور زمین کی اصلاح و تعمیر ہے**۔ دنیاوی کامیابی، معاشی استحکام، ترقی اور خوش حالی یہ سب اپنی جگہ اہم ہیں، لیکن یہ سب کی سب ایک بڑے مقصد کے تابع ہیں۔ مومن کے لیے کام، علم، خاندان، سماجی تعلقات اور حتیٰ کہ تفریح بھی اسی وقت بامعنی ہے جب وہ اس کی آخرت اور اخلاقی ذمہ داری سے ہم آہنگ ہو۔ اس کے برعکس مادی اور لبرل تصورِ حیات میں وقت کی تنظیم کا مرکزی ہدف عموماً ذاتی کامیابی، زیادہ آمدنی، شہرت اور زیادہ سے زیادہ لطف کا حصول ہوتا ہے۔ وہاں کسی ماورائی جواب دہی یا اعلیٰ مقصد کی شرط نہیں ہوتی۔

اسلامک ٹائم مینجمنٹ صرف شیڈول بنانے کا نام نہیں بلکہ ترجیحات کے تعین کا عمل ہے۔ انسان زمین پر خلیفہ کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے، اس لیے اس کا وقت بھی اس کی خلافت کا حصہ ہے۔ عبادت اس کے وقت کا روحانی پہلو ہے جو دل کو زندہ رکھتی ہے۔ کام اور حلال کمائی اس کی معاشی اور تمدنی ذمہ داری ہے جس کے ذریعے وہ زمین کو آباد کرتا ہے۔ خاندان اور رشتے اس کے سماجی فرائض ہیں جن کے ذریعے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ تحصیلِ علم اور تدریس اس کے شعوری اور فکری ارتقا کا ذریعہ ہیں، اسی طرح جائز تفریح اور آرام بھی ضروری ہے تاکہ جسم و ذہن میں توازن قائم رہے۔

اسلام کام کو محض دنیاوی سرگرمی نہیں سمجھتا بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیتا ہے، بشرطے کہ اس کے ساتھ نیت صالح ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **"انسان نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا"**۔ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ محنت ہی عزت کا ذریعہ ہے اور رزقِ حلال روحانی بالیدگی پیدا کرنے کا واحد کار آمد انسٹرومنٹ۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ **"اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو کوئی کام کرے تو اسے احسن طریقے سے انجام دے"**۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ **وقت کی قدر صرف اس میں نہیں کہ کتنے گھنٹے کام کیا گیا، بلکہ اس میں ہے کہ کام کس معیار اور اخلاص کے ساتھ کیا گیا۔**

تاہم اسلامی تعلیمات یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ کام ہی زندگی کا کل مقصد نہیں۔ اگر انسان کام میں اس قدر ڈوب جائے کہ والدین، اہلِ خانہ، صحت اور روحانی زندگی سب نظر انداز ہو جائیں تو یہ توازن کے خلاف ہے۔ اسلام اعتدال کی دعوت دیتا ہے۔ رزق صرف محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ برکت کا بھی نام ہے، اور برکت اخلاقی و روحانی رویوں سے وابستہ ہے۔ صلۂ رحمی کو رزق کی کشادگی سے جوڑنا اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مادی زندگی بھی روحانی اقدار سے جدا نہیں۔

ایمانی زندگی میں احتساب ایک اہم عنصر ہے۔ مومن وقتاً فوقتاً خود سے سوال کرتا ہے کہ اس کا دن کس طرح گزرا؟ اس کے اعمال کس حد تک اس کی اصل غایت کے قریب لے جا رہے ہیں؟ یہ خود احتسابی اسے غفلت سے بچاتی ہے اور اس کے وقت کو بامعنی بناتی ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان کا معیار صرف دولت، عہدہ اور شہرت رہ جائے تو اس کا وقت بھی انھی پیمانوں کے گرد گھومنے لگتا ہے، چاہے اس کے باطن میں خلا ہی کیوں نہ پیدا ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان وقت کو نئی معنویت عطا کرتا ہے۔ وہ کام کو بوجھ نہیں بلکہ عبادت بناتا ہے، اور فرصت کے لمحات کو غفلت نہیں بلکہ تجدید کا موقع قرار دیتا ہے۔ **جب انسان ہر لمحہ شعور، نیت اور مقصد کے ساتھ جیتا ہے تو اس کی روزمرہ زندگی بھی عبادت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔** اسی شعور کے ساتھ جیا ہوا وقت ہی حقیقی کامیابی کی بنیاد بنتا ہے۔

اسلامی آئیڈیالوجی میں وقت کو غیر معمولی تقدس اور اعلیٰ قدر حاصل ہے۔ یہ عبادت، نیک عمل اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ ضائع شدہ وقت وہ نہیں جو مال پیدا نہ کرے، بلکہ ضائع شدہ وقت وہ ہے جو خیر اور زمین کی آباد کاری میں استعمال نہ ہو۔

صحت اور فرصت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ." (بخاری)
یعنی دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔

یہ حدیثِ مبارکہ جامع صغیر اور بخاری شریف کی ان احادیث میں سے ہے جو انسانی زندگی کے اصلی جوہر یعنی وقت اور صحت کی

اہمیت کو نہایت بلیغ انداز میں اجاگر کرتی ہیں۔ محدثین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دنیا کو "بازار" اور انسان کو ایک "تاجر" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ "مبغون" عربی میں اس تاجر کو کہتے ہیں جسے کسی سودے میں ایسا خسارہ ہوجائے کہ اس کا اصل سرمایہ (Capital) بھی ڈوب جائے۔ اور انسان کا اصل سرمایہ اس کی صحت اور فراغت (فرصت کے لمحات) ہے۔ اگر وہ ان دونوں کو اللہ کی اطاعت اور نفع بخش کاموں میں استعمال نہیں کرتا، تو وہ اس تاجر کی طرح ہے جو اپنا قیمتی مال کوڑیوں کے بھاؤ بیچ دے۔

کبھی انسان جب تندرست تو ہوتا ہے لیکن روزی روٹی یا دنیاوی الجھنوں کی وجہ سے اسے نیک کاموں کے لیے وقت نہیں ملتا اور کبھی انسان فارغ تو ہوتا ہے لیکن بیماری کی وجہ سے کچھ کر نہیں پاتا۔ مکمل کامیابی تبھی ممکن ہے جب یہ دونوں نعمتیں یکجا ہوں، لیکن اکثر لوگ ان دونوں کے ہوتے ہوئے بھی غفلت کا شکار رہتے ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا گیا کہ "اکثر لوگ" خسارے میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو نعمتوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے والے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ بیش تر لوگ صحت کو گناہوں یا فضول کاموں میں گنوا دیتے ہیں اور فراغت و فرصت کو سستی، کاہلی اور بے معنیٰ بحثوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ پھر شیطان تو ہمیشہ انسان کو یہ دھوکا دیتا رہتا ہے کہ "صحت ابھی برقرار رہے گی" اور "وقت ابھی بہت ہے"۔ یہی وہ دھوکا (الغبن) ہے جس کی وجہ سے انسان آج کے کاموں کو کل پر ٹالتا رہتا ہے۔ اس کو عربی میں "تسویف" اردو میں "ٹال مٹول" اور جدید نفسیاتی اصطلاح میں پروکراسٹینیشن procrastination کہتے ہیں۔ اسلامی اخلاقیات میں تسویف کو ایک خطرناک عادت سمجھا گیا ہے، خصوصاً نیکیوں کے معاملے میں۔ کیوں کہ انسان کو یہ یقین نہیں کہ اسے "کل" نصیب ہوگا یا نہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: "التسويفُ مِن جُندِ إبليس" (ٹال مٹول شیطانی لشکروں میں سے ہے)۔ تسویف کا نقصان یہ ہے کہ: ارادے کمزور ہوجاتے ہیں، اعمال مؤخر ہوتے رہتے ہیں، دل پر غفلت کی تہ جمتی جاتی ہے اور بالآخر انسان عادتاً سستی اور تاخیر کا شکار ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اچانک بیماری یا موت اسے آلیتی ہے۔

اس حدیث مبارک کا انتہائی واضح پیغام یہ ہے کہ صحت کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھنا چاہیے، کیوں کہ بیمار انسان ویسی عبادت نہیں کر پاتا جو تندرستی میں ممکن تھیں۔ فراغت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت سمجھنا چاہیے کہ دنیا کے جھمیلے انسان کو نیکی کے مواقع سے محروم کر دیتے ہیں۔ بیشک جو شخص ان دونوں نعمتوں کو آخرت کی تجارت میں لگا دیتا ہے، وہی اصل میں "کامیاب تاجر" ہے۔

یہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ فراغت کا وقت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقی قدر کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی اسے درست طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ گویا ایک ایسی تجارت میں خسارے میں رہتے ہیں جس میں وہ نفع کما سکتے تھے، مگر انھوں نے اپنی جہالت، غفلت اور غلط اندازے کے سبب اسے ضائع کر دیا۔ اگر فرصت کے لمحاتِ نعمت کو بے مقصد اور بے شعوری کے ساتھ گزار دیا جائے تو منفی سوچ بیدار ہوتی ہے اور زندگی میں کئی طرح کی پریشانیوں کا باعث بنتی ہے، اس لیے فرصت محض "خالی وقت" نہیں جسے کسی بھی چیز سے بھر دیا جائے، بلکہ یہ آرام کے ذریعے تسلسل اور تفریح کے ذریعے نشوونما کا موقع ہے۔

اس حدیث کی خاص بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فراغت کو صحت کے برابر نعمت قرار دیا ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ صحت کی اہمیت پر تو سب متفق ہیں لیکن خالی وقت کو عموماً معمولی سمجھا جاتا ہے اور اسے بے فائدہ مصروفیات، فضول مشغولیات، گپ شپ اور بازاروں میں ضائع کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ اندرونی خلا اور بے چینی کی صورت میں نکلتا ہے۔

اسلامی آئیڈیالوجی میں وقت کا کوئی بھی دورانیہ بالکل بے مصرف یا ذمہ داری سے آزاد نہیں، یہاں عبادت کا مفہوم اتنا جامع ہے

کہ تمام انسانی سرگرمیوں کو محیط ہے۔ انسان کا کام، فکر، سکون، آرام، سنجیدگی، خوشی، کھانا پینا، سونا جاگنا، یہ ساری چیزیں عبادت کے درجے میں داخل ہیں اگر وہ صحیح نیت کے ساتھ ہوں۔ مؤمن اپنی زندگی کے ہر لمحے میں ایک ذمہ داری اور پیغام کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے لیے وقت اور عمر دونوں اللہ کے سامنے جواب دہی کا معاملہ ہیں۔

جو وقت ضروری مصروفیات سے خالی ہو۔ اسے عبادت، مفید کام، صلۂ رحمی، تعلیم و تعلم، کسی کی مشکل آسان کرنے یا کسی مریض کی عیادت میں لگایا جاسکتا ہے۔ اگر نیت خالص ہو تو ان کاموں میں انسان کو گہری خوشی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حدیث قدسی کا مفہوم ہے: "اللہ جل شانہ قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا تو تُو نے میری عیادت نہ کی؟ بندہ عرض کرے گا: اے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا جب کہ تو رب العالمین ہے؟ تو اللہ فرمائے گا: "کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔"

یہ اور اس جیسی دیگر تمام احادیث انسان کو ترغیب دیتی ہیں کہ وہ اپنے دستیاب اوقات کو اللہ کی رضا اور معاشرے کے روابط مضبوط کرنے میں صرف کرے، خاص طور پر کمزوروں اور ضرورت مندوں کی خدمت میں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے۔

تفریح اور فرصت:

اسلامی تصور میں فراغت یعنی فرصت کا تعلق "ترویح" یعنی جائز اور متوازن آرام سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سو بھی جاؤ، کیوں کہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔"

یعنی انسان پر اس کے جسم اور اہل و عیال کے حقوق بھی لازم ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "دل بھی تھک جاتے ہیں جیسے جسم تھک جاتے ہیں، اس لیے ان کے لیے حکمت کی نئی باتیں تلاش کرو۔"

اور فرمایا: "اپنے نفس کو کچھ کچھ وقفے سے راحت دو، کیوں کہ جب دل تھک جائیں تو اندھے ہو جاتے ہیں۔"

مسلسل تھکن انسان کو معنوی اندھاپن میں مبتلا کر دیتی ہے، دل سخت ہو جاتا ہے اور سمجھنے کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس لیے جائز تفریح اور جسمانی و ذہنی آرام انسان کے لیے ضروری ہیں تاکہ وہ عبادت، کام اور زندگی کو توازن کے ساتھ جاری رکھ سکے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دینی التزام کا مطلب سختی اور تفریح سے دوری ہے، حالاں کہ یہ درست نہیں۔ شریعت انسانی فطرت کا لحاظ رکھتی ہے اور توازن، راحت اور خوشی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بشرطے کہ تفریح جائز حدود میں اور اعتدال کے ساتھ ہو۔ انسان مباح اور خوبصورت چیزوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جب تک وہ دینی اقدار سے متصادم نہ ہوں۔

اسلامک ٹائم مینجمنٹ کا مقصد:

اسلامک ٹائم مینجمنٹ کا اصل مقصد انسان کی شعوری تعمیر اور رضاے الٰہی کا حصول ہے۔ انسان کا ہر عمل چاہے کوئی پرائیویٹ کام ہو یا دفتری ذمہ داریاں، سماجی رابطے ہوں یا تفریح، یہ سب کچھ ایمانی شناخت کے مطابق ہونا چاہیے، نہ کہ محض صارفانہ ثقافت یا دوسروں کی اندھی تقلید۔ جب انسان وقت کی قدر، اس کی غایت اور اس کی تنظیم کو سمجھ لیتا ہے تو وہ زندگی کے تمام تقاضوں اور فرصت کے لمحات کے درمیان توازن قائم کر لیتا ہے۔ یوں اس کی ذمہ داریاں بوجھ نہیں رہتیں بلکہ زمین کی آبادکاری میں حصہ بن جاتی ہیں، اور فرصت کے لمحات ترقی اور نشوونما کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ■■■

تفہیم قرآن

گھر میں آنے جانے کے آداب

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۲۸ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹ [سورۂ نور:27-29]

ترجمہ: اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو، یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور اگر ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان کے اندر نہ جاؤ، یہاں تک کہ تمھیں اجازت مل جائے، اور اگر تم سے کہا جائے لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، اور اللہ تمھارے کاموں سے باخبر ہے۔ تمھارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم ایسے گھروں میں جاؤ جن میں کوئی نہیں رہتا ہے، جن میں تمھارا سامان ہے، اور اللہ جانتا ہے جسے تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔

خلاصۂ آیات:

گزشتہ آیات میں بدکاری کی حرمت اور اس کا شرم ناک انجام بیان کیا گیا، اس کے معًا بعد گھر میں آنے جانے کے آداب واصول بیان کیے گئے، تاکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو سکے کہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کو روکنے کے لیے گھروں میں آنے جانے کا نظام بہتر بنانا ضروری ہے، اور اس سلسلے میں سب سے بہترین اصول وہ ہیں جو ہمیں قرآن کریم نے عطا کیے، جنھیں ہم یہاں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

اپنے گھر میں جانے کے آداب واصول:

1- اگر کوئی شخص گھر میں اکیلے رہتا ہو تو اسے اپنے گھر میں داخل ہونے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تالا کھولے، اور گھر میں داخل ہونے کی دعا پڑھ کر اندر چلا جائے۔

2- کوئی شخص اپنی ماں، بہن، بھائی یا زوجہ کے ساتھ رہتا ہو، یعنی گھر میں صرف دو افراد رہتے ہوں، اور ان میں کا کوئی بھی ایک فرد باہر سے آئے تو اسے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا اور سلام کرنا ضروری ہے، چناں چہ حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا مجھے اپنی ماں کے پاس جانے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

صحابی نے کہا: وہ میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تب بھی اجازت لے کر جاؤ۔

صحابی نے کہا: میں اپنی ماں کی خدمت کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھنا چاہتے ہو؟

صحابی نے کہا: نہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: تب اجازت لے کر جاؤ۔ (موطأ مالک، کتاب الاستئذان، الحدیث:2028)

عموماً گھر میں تنہا رہنے والا محتاط نہیں رہتا، اسی لیے بلا اجازت گھر میں جانا مناسب نہیں۔

3 - کوئی شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہو یعنی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مکان میں کئی افراد رہتے ہوں تو اسے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، سلام کر دینا کافی ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے دستک دے کر یا بلند آواز سے تسبیح پڑھ کر اہل خانہ کو متنبہ کر دے، پھر سلام کر کے اندر جائے، ارشاد باری ہے:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۔[سورۂ نور: 61]

جب گھروں میں جاؤ تو اپنے اہل کو سلام کرو، جو اللہ کی طرف سے پاکیزہ تحیت ہے۔

دوسروں کے گھر میں جانے کے آداب واصول:

1–بلا اجازت دوسروں کے گھر میں جانا منع ہے، اسی لیے اگر کسی کے گھر جانے کی ضرورت پیش آئے تو پہلے سلام کرے، پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرے، اگر اجازت ملے تو جائے، ورنہ لوٹ آئے، فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۔ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو، یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

2–اجازت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دروازے پر دستک دے، بٹن دبائے، یا کال کرے، اجازت مل جائے تو سلام کر کے اندر جائے۔

دستک دینے میں اس بات کا لحاظ رہے کہ زور سے دستک نہ دے جس سے اہل خانہ کو خلل ہو، اسی طرح کوئی بھی کام تین بار سے زیادہ نہ کرے، نہ تین بار سے زیادہ دستک دے، نہ بٹن دبائے، نہ آواز لگائے، نہ ہی بار بار کال کرے کہ اس سے کوفت ہوتی ہے، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا استَأذَنَ أَحَدُكُم ثَلاثًا فَلَم يُؤذَن لَه فَليَرجع۔

(البخاری، کتاب الاستئذان، الحدیث: 5891)

جب تم تین بار اجازت طلب کرو، اور اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ۔

اسی لیے تین بار کوشش کے بعد بھی کوئی جواب نہ ملے واپس لوٹ جائے، دروازے پر کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے، کہ اس سے گھر والوں کو الجھن ہوتی ہے۔

3 –اگر دستک دینے اور اجازت مانگنے کے باوجود کوئی جواب نہ ملے تو گھر کو خالی سمجھ کر اندر نہ جائے، بلکہ الٹے قدم لوٹ جائے، یوں ہی گھر والوں میں کوئی کہہ دے کہ ابھی چلے جاؤ، یا بعد میں آؤ تو بخوشی واپس چلا جائے، ممکن ہے کہ صاحب خانہ اس وقت بہت ضروری کام میں ہو، اور فوری ملاقات کی گنجائش نہ ہو، فرمایا:

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾

اور اگر ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان کے اندر نہ جاؤ، یہاں تک کہ تمھیں اجازت مل جائے، اور اگر تم سے کہا جائے لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، اور اللہ تمھارے کاموں سے باخبر ہے۔

4–دستک دینے کے بعد یا اجازت لینے کے دوران بالکل دروازے کے سامنے کھڑے نہ رہے، بلکہ دائیں بائیں جہاں مناسب جگہ ملے ہٹ کر انتظار کرے، تاکہ بے پردگی نہ ہو، حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کے سامنے نہیں رکتے، بلکہ دائیں یا بائیں ہو جاتے اور سلام کرتے، کیوں کہ اس وقت دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ (سنن أبي داؤد ، كتاب الأدب ، باب كم مرة يسلم الرجل في الإستئذان ، الحديث:5186)

5 – کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلے دروازے یا کھڑکی سے جھانک کر دیکھتے ہیں، اگر کوئی نظر آجائے تو سلام کر کے اجازت لیتے ہیں، ایسے افراد کو معلوم ہونا چاہیے کہ بے پردگی سے روکنے ہی کے لیے اجازت کا قانون مشروع ہوا ہے، لہٰذا جس طرح بلا اجازت گھر میں جانا منع ہے بالکل اسی طرح جھانکنا منع ہے، کیوں کہ دونوں میں یکساں بے پردگی ہے، ایسے افراد کے لیے سخت وعید آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَو أَنَّ امرأ اطَّلَعَ عَلَيكَ بِغَيرِ إِذن فَحَذَفتَه بِعَصَاةفَقَأتَ عَينَه لَم يَكُن عَلَيكَ جُنَاحٌ. (البخاري، كتاب الديات، الحديث: 6506)

اگر کوئی شخص بغیر اجازت تمھیں جھانک کر دیکھے، تم کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

یعنی کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھنا سنگین جرم ہے، اسی لیے آنے والے کی اس حماقت پر کوئی ناراض ہو کر سخت سست کہے تو معذور ہے۔

6–دستک دینے، یا اجازت طلب کرنے والے سے پوچھا جائے: کون؟ تو جواب میں میں نہ کہے، بلکہ اپنا نام یا علامت بتائے، کیوں کہ میں کہنے سے آنے والے کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں اپنے والد کے ایک قرض کا حکم دریافت کرنے کے لیے حضور ﷺ کے کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوا، دروازے پر دستک دی تو آپ نے فرمایا: کون؟ میں نے کہا: میں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی میں ہوں۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، الحدیث: ۵۱۸۷)

یعنی میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے آنے والے کی شناخت ہو سکے، اسی لیے نام بتائے، تاکہ گھر والا پہچان کر اجازت دے سکے۔

۷- آج جب کہ ہر شخص کے پاس فون کی سہولت ہے تو بہتر یہی ہے کہ پیشگی رابطہ کر کے وقت لے لے، پھر مقررہ وقت پر ملاقات کے لیے جائے۔

۸–اجازت واطلاع اور سلام وتحیت کے سارے احکام ان گھروں کے لیے ہیں جن میں لوگ رہتے بستے ہوں، لیکن جو کسی کا رہائشی مکان نہ ہو، اور وہاں لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہو اس میں اجازت کی کوئی ضرورت نہیں، مثلاً مسجد، مدرسہ، درگاہ، مسافر خانہ، دواخانہ، دکان، ہوٹل، بس اسٹاپ، ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ وغیرہ پر بوقت ضرورت بلا اجازت آنے جانے میں کوئی حرج نہیں، فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

تمھارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم ایسے گھروں میں جاؤ جن میں کوئی نہیں رہتا ہے، جن میں تمھارا سامان ہے، اور اللہ جانتا ہے جسے تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔

اپنے اور دوسروں کے گھر میں جانے کے سلسلے میں یہ چند قرآنی اصول اور شرعی قوانین ہیں، اللہ رب العزت ہمیں حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

ان آیاتِ مبارکہ واحادیث کریمہ سے واضح ہے کہ اسلام نے محض عبادات ہی نہیں، بلکہ انسانی معاشرت کے نہایت باریک اور حساس پہلوؤں تک رہنمائی فراہم کی ہے۔ گھروں میں آنے جانے کے یہ آداب عفت، حیا، احترامِ انسانیت اور باہمی اعتماد کی حفاظت کا مضبوط حصار ہیں۔ ان احکام کو خوش دلی سے قبول کیا جائے تو دلوں میں کدورت کے بجائے پاکیزگی اور محبت پیدا ہوتی ہے، اور معاشرہ بے حیائی وبداعتمادی سے محفوظ رہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان تعلیمات کو محض پڑھنے سننے تک محدود نہ رکھیں، بلکہ اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنائیں، تاکہ ہمارے گھروں میں سکون اور پاکیزگی نازل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مبارک ہدایات پر کامل عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گھروں کو سلامتی ورحمت کا مرکز بنائے۔ آمین۔ ■■■

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

اضاحی پروجیکٹ کے ذریعہ قربانی اور تدابیر

سوال: حکومت سعودی عرب کے فرمان کے مطابق حج 2026 میں قربانی صرف "نسک پورٹل" پر موجود "اضاحی پروجیکٹ" کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہے، ایسے میں حجاج کرام کو کیا کرنا چاہیے۔

الجواب: جب حکومت نے یہ فرمان جاری کر دیا ہے کہ حج 2026ء میں قربانی صرف "نسک پورٹل" پر موجود "اضاحی پروجیکٹ" کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہے، ذاتی یا نجی قربانی ممنوع ہے، کوئی بھی حاجی خود قربانی نہیں کر سکتا، کسی ایجنٹ، پرائیویٹ یا غیر سرکاری ذریعے سے قربانی نہیں کروا سکتا تو بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ قربانی حج تمتع یا حج قران کی صرف حکومت کے "اضاحی پروجیکٹ" پر ہی کی جاسکتی ہے۔

حکومت لاکھوں قربانیاں، لاکھوں افراد کی طرف سے کب اور کیسے کرے گی، تین دن میں یا چار دن میں۔ اور یہ قربانی رمی کے بعد اور حلق سے پہلے ہوگی یا نہیں؟ ان تمام امور کی بروقت تحقیقات ہر حاجی نہیں کر سکتا۔ اس لیے جو مسلمان پہلے رمیِ جمرہ پھر قربانی اور پھر حلق یعنی سر منڈانے کے احکام میں ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں اور چوتھے دن قربانی صحیح نہیں مانتے ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا مقام ہوگا۔ لاکھوں کے ہجوم میں کون کیسے یہ تمام تحقیقات کر کے قلبی اطمینان حاصل کر سکے گا، اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

○ جو حاجی ان تمام امور کی تحقیقات بروقت نہیں کر سکتے اور شک وشبہ میں گرفتار رہ سکتے ہیں ان کے لیے حل کی راہ کیا ہے؟

○ حکومت کے انتظام میں خلل اندازی بھی نہ ہو اور اپنے مذہب پر عمل بھی ہو ایسی کون سی راہ ہے؟

ہم اپنی معلومات کے مطابق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور کتب شریعت سے کچھ خلاصۂ احکام بیان کرتے ہیں اس کو سامنے رکھ کر عازمین حج اپنا فیصلہ خود کریں۔

ہم کسی کے انتظام میں دخل نہیں دیتے لیکن کتاب و سنت سے شریعت کے احکام سے آگاہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ شریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ ہاتھوں میں رہے۔

(1) شریعت طاہرہ نے حاجیوں کو اور اپنے ماننے والوں کو کسی خاص فرد یا فرم یا تنظیم یا اضاحی پروجیکٹ سے قربانی کرانے کا پابند نہیں کیا ہے کہ وہ لازمی طور پر اسی سے قربانی کرائیں، بلکہ شریعت طاہرہ نے آزادی عطا فرمائی ہے کہ حاجی خود قربانی کا اہتمام کرے یا کسی معتمد سے کرائے اس تعلق سے نصوص کتاب وسنت مطلق ہیں۔ نیز ارشاد باری ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ حاکم محض اللہ ہے۔

(القرآن الحکیم، سورۃ یوسف:12، الآیۃ:40)

اور اللہ نے بندوں کو مختار کیا ہے تو انھیں ان کے حال پر باقی رکھنا چاہیے۔ نصوص کتاب وسنت کا احترام یہی چاہتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(2) شریعت طاہرہ نے آسانی دی ہے، دشواری نہیں، اور آسانی فراہم کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد رسالت ہے: "یسّروا ولا تعسّروا"

یہ حدیث امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح البخاری میں روایت کی

ہے۔ شریعت طاہرہ ہر موڑ پر اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کرتی ہے اور آسانی بھی عطا فرماتی ہے۔ ہمیں اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(3) جو حاجی کسی وجہ سے قربانی کرنے سے عاجز ہوں ان کے بارے میں در مختار اور فتح القدیر اور دوسری کتبِ شریعت میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ وہ احرام کے بعد حج سے پہلے تین روزے رکھیں خواہ وہ روزے ایک ساتھ رکھیں یا ایک، دو دن کا ناغہ دے کر رکھیں اور باقی سات دن کے روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھیں۔

لہذا جو حاجی یہ محسوس کرتے ہوں کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق قربانی سے عاجز ہیں انھیں اس کی استطاعت نہیں رہ گئی ہے وہ شریعت طاہرہ کی اس آسانی پر عمل کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ

(القرآن الحکیم، سورۃ الحج:22، الآیۃ:78)

ترجمہ: اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

نیز ارشاد باری ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۚ

ترجمہ: (پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے، جیسی میسر آئے)۔ پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ۔ اسی کے مطابق کتب مذہب میں تصریحات موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(4) جو حاجی شیخ فانی ہو یعنی اتنا زیادہ بوڑھا اور کمزور کہ وہ روزے بھی نہیں رکھ سکتا اور آئندہ روزے رکھنے کی امید بھی نہیں تو وہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(5) جن حاجیوں کی فلائٹ زمانہ حج سے قریب ہو یا قریب سے قریب تر ہو وہ چاہیں تو حج تمتع یا حج قِران کے بجائے "حج اِفراد" کریں کہ حج اِفراد میں قربانی کی حاجت نہیں ہے، وہ حج اِفراد کر کے واپس آجائیں گے اور ان پر قربانی واجب ولازم نہ ہوگی۔

حکومت حاجیوں کو قربانی کرنے پر مجبور نہیں کر رہی ہے کہ آپ پر قربانی نہیں ہے یا آپ پر قربانی لازم نہیں ہے تو بھی قربانی کریں بلکہ حکومت کے فرمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو قربانی کرنا چاہے وہ اس کے اضاحی پروجیکٹ کے ذریعے قربانی کرے اس لیے جو لوگ روزے رکھیں گے یا فدیہ دیں گے وہ اس فرمان کے زمرے میں نہیں آتے۔

یوں ہی یہاں یہ گنجائش بھی موجود ہے کہ جو لوگ ذی الحجہ کے شروع میں مکہ معظمہ پہنچ رہے ہوں وہ حج اِفراد کی نیت کر لیں، انھیں دو چار روز احرام کی پابندیوں میں رہنا کوئی بڑی بات نہیں ہے احتیاط بہرحال کرنی پڑے گی، کیونکہ اگر کچھ بھی بے احتیاطی کریں گی تو دم لازم آسکتا ہے اور دم میں وہی قربانی کرنی ہوگی، جس سے بچنے کے لیے حج اِفراد کا سہارا لیا ہے۔

تو جو لوگ احتیاط کر سکتے ہوں، احرام کی پابندیاں نبھا سکتے ہوں وہ اگر ذی الحجہ میں مکہ معظمہ پہنچتے ہیں تو انھیں حج اِفراد کر لینا چاہیے۔

یہ میری چند گزارشات ہیں، میں کسی کو ان کا پابند نہیں کرتا اور نہ میں حاکم ہوں، حاکم تو اللہ رب العزت جل جلالہ ہے البتہ میں نے شریعت کے جو احکام کتب مذہب میں پڑھے ان سے میں نے آگاہ کر دیا، آگے حاجیوں کی مرضی وہ کیا کریں گے اس کا فیصلہ انھیں خود کرنا چاہیے۔

ہم نے روزے کا جو مسئلہ بتایا ہے وہ در مختار وغیرہ عامۂ کتب فقہ موجود ہے۔ اردو میں دیکھنا چاہیں تو بہار شریعت کے چھٹے حصے میں قِران کے بیان میں اور حج تمتع کے بیان میں دیکھ سکتے ہیں۔ تاہم اہل علم کے لیے ایک جزیہ بھی نقل کرتے ہیں۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: وذبح القِران بعد رمي يوم النحر وان عجز صام ثلاثة ايام ولو متفرقة اخرها يوم عرفة ندبا رجاء القدرة على الاصل و سبعة بعد تمام ايام حجه فرضا او واجبا اين شاء لكن ايام التشريق لا تجزيه لقوله تعالى "و سبعة إذا رجعتم الى اهله" (البقرة، الآية: ١٩٦) اى فرغتم من افعال الحج- (الدر المختار/ باب القران) والله تعالى اعلم-□□□

شواھد ونتائج

توثيق النسبة بين المخطوط ومؤلفه

مخطوطہ اور اس کے مؤلف کے درمیان نسبت کی توثیق، اصول وضوابط

○ازقلم :أبو عاصم البركاتي المصري ○مترجم: ابوالابدال محمد رضوان طاهر فريدى

ابوعاصم البرکاتی المصری

ابوعاصم الشحات شعبان محمود عبدالقادر البرکاتی المصری 1975ء میں مصر کے صوبہ کفرالشیخ کے شہر بیلا کے ایک گاؤں "برکات" میں پیدا ہوئے۔ "البرکاتی" نسبت اسی گاؤں کی طرف ہے۔ دیہی ماحول میں پرورش پائی جہاں علمی اور دعوتی سرگرمیاں محدود تھیں، مگر دل میں شروع ہی سے علم کی محبت موجود تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مصر کے سرکاری مدارس میں حاصل کی اور بعدازاں کلیۃ التربیۃ سے فراغت پائی۔ اس کے بعد آپ نے باقاعدہ شرعی علوم کی طرف رخ کیا اور اسلامیات میں ماسٹر ڈپلومہ حاصل کیا۔ اس وقت آپ تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں اور ساتھ ہی دعوت وتحقیق کے میدان میں بھی سرگرم عمل ہیں۔ عقائد واعمال میں میں سلف صالحین کے منہج کے پیروکار ہیں۔

بچپن میں وہ جس ماحول میں رہے وہاں دینی باتیں زیادہ تر قصوں اور غیر مستند روایات پر مشتمل ہوتی تھیں۔ ابتدا میں یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہی اصل دین ہے۔ مگر ایک دن بڑے بھائی کی لائی ہوئی ایک کتاب نے ان زندگی کا رخ بدل دیا اس کے بعد مطالعے کا شوق بڑھتا گیا اور تلاشِ حق کا جذبہ بیدار ہوا۔ جب کلیۃ التربیۃ میں زیر تعلیم تھے اس وقت ایک ساتھی نے ان کو معروف عالم حدیث ابواسحاق الحوینی کے دروس کی طرف متوجہ کیا۔ ابتدا میں ہچکچاہٹ تھی، مگر جب ان کے دروس اور خطبات سنے تو علم کی نئی دنیا سامنے آگئی۔ بعدازاں مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا، جن میں وحید بن عبدالسلام بالی، مصطفی العدوی اور دیگر اہلِ علم شامل ہیں۔ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، فرائض، تجوید اور نحو جیسے علوم باقاعدہ اساتذہ سے پڑھے۔ کئی کتب کی اجازت بھی حاصل کی اور قراءتِ قرآن میں روایاتِ حفص وشعبہ کے ساتھ تعلیم پائی۔ ابوعاصم البرکاتی کے متعدّد تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ مصر کے مختلف علاقوں میں مساجد اور دینی حلقوں میں دروس وخطبات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

زیرِ نظر مضمون ان کی علمی وجاہت کا آئینہ دار ہے، مضمون کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے معروف قلم کار ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی نے اسے اردو قالب میں پیش کیا ہے۔ افادۂ عام کی غرض سے اس مضمون کو ہم ماہ نامہ اشرفیہ میں جناب رضوان طاہر فریدی کے شکریہ کے ساتھ شائع کررہے ہیں۔ ابتدا میں انھوں نے تمہیدی نوٹ درج کیا ہے جس ہم جلی حرفوں میں نقل کررہے ہیں، اس کے بعد اصل مقالے کا ترجمہ ہے البتہ عربی عبارات ہم نے حذف کردی ہیں، تاکہ مطالعہ اور استفادہ کو آسان بنایا جاسکے۔ (مہتاب پیامی)

اسلامی تاریخ کا علمی ورثہ دنیا کے عظیم ترین اثاثوں میں سے ایک ہے، جس کا بڑا حصہ آج بھی قلمی نسخوں (مخطوطات) کی صورت میں کتب خانوں کی زینت ہے۔ ان مخطوطات کی حفاظت، ان کی تصحیح اور انھیں اصل مصنف کی منشا کے مطابق دنیا کے سامنے

rizwan.tahir1989@gmail.com

لانا ایک ایسا جلیل القدر فن ہے جسے "تحقیقِ مخطوطات" کہا جاتا ہے۔ یہ محض کسی کتاب کی طباعت کا نام نہیں، بلکہ ایک علمی امانت کو اس کے اصل حق دار تک پہنچانے کا ذمہ دارانہ عمل ہے۔

بدقسمتی سے برصغیر پاک و ہند میں، جہاں علم و فن کے بڑے مراکز اور کتب خانے موجود ہیں، مخطوطات پر کام کرنے والے مستقل علمی اداروں اور تربیت یافتہ محققین کا فقدان ہے۔ یہاں یہ کام زیادہ تر انفرادی سطح پر علما، اساتذہ اور محققینِ کرام سرانجام دے رہے ہیں۔ تربیت اور فنی اصولوں سے ناواقفیت کی بنا پر اکثر اوقات یہ علمی کاوشیں ان باریکیوں سے خالی رہ جاتی ہیں جو ایک معیاری تحقیق کا خاصہ ہیں۔

تحقیقِ مخطوطات کا سب سے پہلا اور نازک ترین مرحلہ "توثیقِ نسبت" ہے، یعنی یہ حقیقت معلوم کرنا کہ زیرِ تحقیق کتاب واقعی اپنے معروف مصنف کی تصنیف ہے یا نہیں؟ تاریخِ علم میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جہاں کوئی کتاب صدیوں تک کسی بڑے عالم کے نام سے منسوب رہی، مگر فنی باریکیوں کے جائزے سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل خالق کوئی اور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے محققین کسی بھی قلمی نسخے پر کام شروع کرنے سے پہلے اس کی نسبت کی تحقیق کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔

علم المخطوطات کے ماہرین نے اس ضمن میں وہ تمام قرائن اور شواہد اپنی کتب میں تفصیل سے بیان کر دیے ہیں جن کی بنیاد پر نسبت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن سے واقفیت ہر اس طالبِ علم اور محقق کے لیے لازم ہے جو کسی قلمی نسخے کی تحقیق یا اشاعت کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ ان قواعد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کی جانے والی تحقیق نہ صرف علمی اعتبار سے کمزور ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات تاریخ کے ساتھ ناانصافی کا سبب بھی بنتی ہے۔

چنانچہ توثیقِ نسبت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر، مصر کے معروف محقق اور ماہرِ فن ابوعاصم البرکاتی المصری نے متعلقہ قواعد و دلائل کو طلبہ کی سہولت کے لیے اختصار کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔ راقم الحروف نے جب ان کا مطالعہ کیا تو انھیں نہایت مفید پایا۔ چوں کہ اردو زبان میں علم المخطوطات پر علمی مواد کی کمی ہے، اس لیے راقم اس مقالے کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ تاکہ برصغیر میں اس علم کی ترویج ہو سکے اور اس سے استفادہ کرنے والے میرے لیے دعاے مغفرت فرمائیں۔

امید ہے کہ یہ ترجمہ برصغیر کے علمی حلقوں، مدارسِ اسلامیہ کے فضلا اور جامعات کے طلبہ کے لیے فنِ تحقیق کی راہ میں ایک مشعلِ راہ ثابت ہوگا اور ان میں مخطوطات کی سائنسی بنیادوں پر تحقیق کا ذوق پیدا کرے گا۔ اللہ تعالی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے نفعِ عام کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

---****---

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم الأنبياء والمرسلين وبعد:

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے، اور درود و سلام ہو ہمارے سید و سردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو تمام انبیاء و مرسلین کے خاتم ہیں۔ اس کے بعد:

بعض مخطوطات یا کتب کے اپنے مؤلف سے ثابت ہونے پر کچھ لوگ طعن کرتے ہیں، اسی لیے جو شخص مخطوطے کی تحقیق اور اشاعت کے کام کا بیڑا اٹھاتا ہے، اس کے لیے مخطوطے یا کتاب کی اس کے مؤلف سے نسبت کی توثیق کرنا ناگزیر ہے۔ یہ عمل سرانجام دینے کے لیے محقق ناشر (ایڈیٹر) کو کئی طریقوں سے تصدیق کرنی پڑتی ہے۔

اولاً: مخطوطے کے اندرونی دلائل:

کتاب کی اس کے مؤلف سے نسبت کی تحقیق مخطوطے کے اندر سے بھی ہوتی ہے۔ یہ یوں ہوتا ہے کہ مخطوطے کے سرورق (طُرّہ) پر کتاب کا نام اور مؤلف کا نام مذکور ہو، لیکن صرف یہی کافی نہیں، کیوں کہ پڑھنے والے پر یہ بات مخفی نہیں

کہ بعض کاتبوں (نساخ) سے غلطی کا کثرت سے وقوع ہوتا ہے۔ بہت سی کتابیں اصل مولف کے بجائے دوسروں سے منسوب کر دی گئیں۔ لہٰذا ان دلائل اور قرائن کی تلاش ضروری ہے جن سے کتابوں کی ان کے مؤلفین سے نسبت کی تصدیق ہو۔

ان دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ مؤلف مقدمے، حمد و ثنا کے بعد اپنا اور کتاب کا نام ذکر کرے۔ مثلاً وہ کہے: اللہ تعالیٰ کا فقیر فلاں بن فلاں کہتا ہے...، پھر اس کے بعد کہے: اور اس کتاب کا نام میں نے کذا (یہ) رکھا ہے، یعنی کتاب کا نام بھی ذکر کرے۔ ممکن ہے کہ یہ بات وہ کتاب کے اختتام میں ذکر کرے، یعنی کتاب کے آخر میں کہے: اور یہ کتاب کذا (یہ کتاب) کی تکمیل ہے، اور پھر کتاب کا نام ذکر کرے۔ پھر اس کے بعد وہ اپنا نام بھی ذکر کر سکتا ہے، مثلاً کہے: اور میں فلاں بن فلاں اسے قبولیت کی امید پر ختم کرتا ہوں، وغیرہ۔

مثال:

کتاب "تَحْرِيرُ الأَقْوَالِ فِي مَسْأَلَةِ الاسْتِبْدَالِ" کے مؤلف نے مقدمے، حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بعد کہا: اپنے کریم رب سے عفو کا امیدوار قاسم بن قطلوبغا الحنفی کہتا ہے...۔ اس طرح انھوں نے کتاب کو اپنے مؤلف سے مستند کر کے لوگوں کو بحث کی زحمت سے بچا لیا۔

ثانیاً: ناسخ (کاتب) کا ذکر:

کبھی کبھی ناسخ کتاب کے آخر میں مؤلف کا نام اور سالِ کتابت (سنہ نسخ) ذکر کرتا ہے۔ یہ جان لینا چاہیے کہ اگر کتاب کے سرورق پر مؤلف کے نام کے ساتھ "العبد الضعيف" یا "الفقير إلى الله" جیسے اوصاف لکھے ہوں تو غالباً ناسخ ہی مؤلف ہوتا ہے۔ البتہ اگر "الإمام"، "البحر"، "الحبر"، "العلامة"، اور "الفهامة" جیسے اوصاف لکھے ہوں تو یہ ناسخ کی طرف سے ہوتے ہیں، نہ کہ مؤلف کی طرف سے۔ نساخ اکثر مؤلف کا نام ذکر کرتے ہیں اور کتاب کے آخر میں اس کے لیے دعا کرتے ہیں، نیز سنہ نسخ بھی ذکر کرتے ہیں، اور اسی طرح کبھی کبھار ناسخ اپنا نام بھی ذکر کرتا ہے۔

ثالثاً: سماعات اور اوقاف:

جو چیزیں کسی مخطوطے کے اپنے مؤلف سے ثابت ہونے کے لیے دلیل یا قرینہ بن سکتی ہیں، ان میں کتاب کے حاشیے یا آخر میں درج سماعات (اجازت نامے/سندِ قرات) شامل ہیں۔ اسی طرح کسی مسجد یا لائبریری پر کتاب کو اس کے نام اور مؤلف کے نام کے ساتھ وقف کرنے کا ذکر بھی (دلیل بنتا ہے)۔

رابعاً: نسخوں کی کثرت:

کسی کتاب کو بعینہٖ اس کے مؤلف سے منسوب کرنے کے لیے جو چیز دلیل بن سکتی ہے، وہ ہے مخطوطے کے نسخوں کی تعداد میں زیادہ ہونا۔ اگر مخطوطے کے نسخے کثیر ہوں، ان کی جگہیں متنوع ہوں، اور تمام نسخے مؤلف کے نام پر متفق ہوں تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب کی نسبت اپنے صاحب اور مؤلف سے صحیح ہے۔ اور جتنا زیادہ سالِ کتابت مؤلف کی زندگی کے قریب ہو یا مؤلف کی زندگی میں لکھا گیا ہو، وہ اس معاملے میں پختہ دلیل ہوتا ہے۔

بعض نسخوں پر مصنف کی مہر اور اس کی طرف سے اجازت (اجازہ) بھی ہوتی ہے۔

خامساً: مؤلف کا دیگر تالیفات میں ذکر:

مؤلف کا اپنی دیگر تالیفات میں اس کتاب کی طرف اشارہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مخطوطہ اپنے مؤلف سے ثابت ہے۔

مثال: ابن الوزیر رحمہ اللہ کی کتاب "الروض الباسم في الذب عن سنة أبي القاسم صلى الله عليه وسلم".

مؤلف نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم" (1/

225) میں جو کہ اس کتاب کی اصل ہے، فرمایا: "پھر میں نے اس کتاب کو ایک لطیف کتاب میں مختصر کیا ہے جس کا نام میں نے الروض الباسم رکھا ہے..."۔

سادساً: دوسرے مصنفین کا اشارہ:

دیگر مؤلفین کا اپنی کتابوں میں اس کتاب کا ذکر کرنا اور اسے اس کے مؤلف سے منسوب کرنا۔ یہ مؤلفین جتنے زیادہ مؤلف کے معاصر ہوں یا قریبی زمانے کے ہوں، اتنی ہی زیادہ یہ بات مخطوطے کے اپنے مؤلف سے ثابت ہونے میں قوی دلیل ہوتی ہے۔

اس کی مثال ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی کتاب "مقالات الإسلاميين" ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب "تبيين كذب المفترى" میں اس کا ذکر کیا، اور وہ علامہ ابوالحسن کی تالیفات گنواتے ہوئے صفحہ 131 پر فرماتے ہیں: اور ان میں سے "مقالات المسلمين" ہے، جس میں انھوں نے تمام اختلافات اور ان کے مقالات کو سمیٹا ہے...۔

اور ابن تیمیہ (متوفی سنہ 728ھ) نے بھی اپنی کتابوں میں علامہ اشعری کی کتاب "المقالات" کا کثرت سے اشارہ کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

انھوں نے کتاب "النبوات" (631/2) میں کہا: اور میں نے ان مقالات پر غور کیا جو مجھے صفات کے بارے میں ملے، جیسے شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل" اور علامہ اشعری کی کتاب "مقالات الإسلاميين" اور اس فن میں جو کتب میں نے دیکھی، یہ اُن سب سے جامع کتاب ہے...۔

سابعاً: کتاب کی اسانید اور اجازات:

قدیم زمانے میں لوگ اپنی کتابوں کی اجازت دیا کرتے تھے، اور کتاب پر سماعات کو ثبت کرتے تھے۔ کتابوں کی اجازات آج بھی موجود اور متّصل ہیں۔ اور جیسا کہ کہا جاتا ہے، اسانید کتابوں کے شجرۂ نسب کی طرح ہیں۔

ثامناً: اسلوب کا موازنہ:

اگر محققین کو کسی مخطوطے کے اپنے مؤلف سے ثابت ہونے میں شک ہو، تو انھیں چاہیے کہ وہ کتاب کے اسلوب کا موازنہ مؤلف کی دیگر کتابوں سے کریں۔ ہر عالم اور مصنف کا اپنا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے جو اس کی کتابوں اور تصنیفات میں یکساں ہوتا ہے۔ اسلوب کے ذریعے تحقیق کا یہ کام صرف ماہرین ہی کر سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ذوق اور مؤلف کی کتابوں کے طویل مطالعے اور مشق پر منحصر ہوتا ہے۔

تاسعاً: شہرت اور استفاضہ:

کتاب کی شہرت کا استفاضہ اور اس کی مؤلف سے نسبت کا عام ہو جانا بھی ایک دلیل ہے، جیسے صحاح، مسانید اور سنن کی کتابیں۔

عاشراً: عصر کے حالات سے مطابقت:

کتاب کے موضوع کا مؤلف کے زمانے کے واقعات کے مطابق ہونا دلیل ہوگا، اگر مؤلف نے اُن کا ذکر کیا ہو۔ پس ضروری ہے کہ مؤلف اُن واقعات، شخصیات اور حکمرانوں کا ہم عصر ہو اور اس نے اُن کے دور کا مشاہدہ کیا ہو۔

حادی عشر: معاون کتب سے رجوع:

ابتدائی طور پر مؤلفین اور کتب کی فہرستوں کی کتابوں، یا تراجم اور طبقات کی کتابوں، یا عام اور خاص کتب خانوں کی فہرستوں، یا کتب کی ان کے مؤلفین سے نسبت ثابت کرنے کے دیگر وسائل سے مدد لینا۔ جیسے ابن ندیم کی "الفهرست"، حاجی خلیفہ کی "كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون"، اور اسماعیل پاشا بابانی کی "هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين"۔

اور دیگر ایسی ہی فہارس اور تراجم کی کتابیں۔

هذا ما تيسر والله وحده من وراء القصد. وصلى الله وسلم وبارك على سيدنا محمد وآله وصحبه.

■■■

فکر امروز

ہندوستان کا معاشی نظام اور اس کی حقیقی صورت حال

مزمل حسین، جماعت فضیلت جامعہ اشرفیہ

انسانی معاشرہ، معاشی سرگرمیوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ انھی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لیے مختلف معاشی نظام رائج کیے گئے ہیں۔ ہر نظام کی بنیاد کچھ مخصوص نظریات، ترجیحات اور اصولوں پر ہوتی ہے جو پیداوار، تقسیمِ دولت اور فلاحِ عامہ کو مختلف طریقوں سے منظم کرتا ہے۔

ملک ہندوستان کی معاشی حالت کو سمجھنے کے لیے دنیا بھر میں رائج مختلف معاشی نظامات پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ مختلف ممالک کے تناظر میں ہندوستان کا معاشی نظام اور فی الوقت اس کی حالت کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکے۔

دنیا بھر میں متعدّد معاشی نظامات رائج ہیں۔ ذیل میں تین مقبول ترین نظامات ذکر کیے جاتے ہیں۔

1-سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism)

یہ نظام فرد کی آزادی اور نجی ملکیت پر زور دیتا ہے۔ اس میں ہر شخص کو کاروبار کرنے، منافع کمانے اور اپنی دولت میں اضافہ کرنے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حکومت کی مداخلت کم سے کم ہوتی ہے اور مارکیٹ کی قوتیں خود قیمتوں اور پیداوار کا تعین کرتی ہیں۔ امریکہ، کینیڈا جیسے ممالک اسی نظام کی پیروی کرتے ہیں۔

2-اشتراکی نظام (Socialism)

یہ نظام مساوات اور عوامی فلاح کے اصولوں پر مبنی ہے۔ وسائل اور پیداوار کے ذرائع پر ریاست کا کنٹرول ہوتا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے سب میں منصفانہ طور پر تقسیم ہو۔ اشتراکی نظام پر عمل کرنے والے ممالک چین، تائیوان وغیرہ ہیں۔

3-مخلوط معاشی نظام (Mixed Economy)

یہ نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت کا امتزاج ہے۔ اس میں نجی ملکیت بھی موجود ہوتی ہے، اور ریاست بھی معیشت کے اہم شعبوں میں مداخلت کرتی ہے تاکہ فلاحی پہلو کو یقینی بنایا جا سکے۔ ہندوستان، فرانس جیسے ممالک مخلوط معاشی نظام کی کچھ مثالیں ہیں۔

ہندوستان مخلوط معاشی نظام (Mixed economy) پر عمل کرتا ہے۔ جتنے بھی معاشی نظام دنیا بھر میں رائج ہیں ہر کسی کے اپنے فائدے اور نقصانات ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں کمپیٹیشن کی وجہ سے پیداوار کی زیادتی اور تیز رفتار ترقی کا فائدہ ہے تو وہیں دولت کی غیر مساوی تقسیم اور عوام کے پاس ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے غریب کا غریب ہی رہ جانا اور امیر کے مزید امیر ہونے کا نقصان ہے۔ مزید حکومت کی دخل اندازی نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ داری کا بھی نقصان نظر آتا ہے۔

اشتراکی نظام میں وسائل کے حکومت کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے دولت کی برابر تقسیم کا مثبت پہلو ہے تو وہیں کمپیٹیشن نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار کی کمی ہے۔

انھی وجوہات کی بنا پر ہندوستان نے مخلوط معاشی نظام کو اپنایا ہے جس میں نجی کمپنیوں کے ساتھ ساتھ حکومت بھی اقتصادی سرگرمیوں میں شریک ہوتی ہے، تاکہ پیداوار کی کمی بھی نہ ہو اور دولت کی غیر مساوی تقسیم اور اجارہ داری جیسی خرابیاں بھی نظر نہ آئیں۔

لیکن ایک اہم سوال جو ہر ہندوستانی کے ذہن میں آنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کیا واقعی ہم جس تصور میں جی رہے ہیں کہ

ہمارے ملک میں مخلوط معاشی نظام (Mixed economy) ہونے کی بنا پر ہم اجارہ داری اور دولت کی غیر مساوی تقسیم جیسی خرابیوں سے محفوظ ہیں،

تو کیا واقعی ہم ان نقصانات سے محفوظ ہیں؟؟؟

اسے سمجھنے کے لیے حکومت کے فیصلوں اور سرمایہ دار ممالک کے طریقوں کے تجزیہ کی ضرورت ہے۔ جن ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہوتا ہے وہاں دولت کی غیر مساوی تقسیم بھی پائی جاتی ہے۔ اس خرابی کے اثرات کو کم سے کم کرنے کے لیے حکومتیں الگ سے ایسی اسکیمیں لاگو کرتی ہیں جو صرف غریب اور پسماندہ طبقات کے ساتھ خاص ہوتی ہیں، جیسے بے روزگاری وظیفہ، کم از کم اجرت کا قانون۔ (Minimum wage law) وغیرہ۔ تاکہ یہ فوائد صرف کمزور لوگوں کو ملیں اور وہ بھی ترقی کی ریس میں شامل ہو سکیں۔ جب کہ مخلوط نظام میں ریاست خود تعلیم، صحت، روزگار اور دیگر شعبوں میں عملی شرکت کرتی ہے، اس لیے غریب طبقہ ریاستی خدمات سے براہِ راست فائدہ اٹھاتا ہے اور الگ سے اسکیموں کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ اور ہندوستانی حکومت بھی یہی کر رہی ہے کہ مخلوط معاشی نظام ہونے کی بنا پر الگ سے کافی کم اسکیمیں لے آتی ہے۔ لیکن کیا ہو، اگر حکومت پوشیدہ طور سرمایہ دارانہ نظام کی طرف بڑھنے لگے اور سرکاری اداروں کو نجی کمپنیوں کے ہاتھوں بیچنا شروع کر دے؟؟؟ اور جو ادارے حکومت کے ہاتھوں میں ہوں ان کا بجٹ کم کر کے ان کی طرف سے توجہ ہٹانے لگ جائے؟؟؟

اگر ایسا ہوتا ہے تو عوام کے لیے پریشانیاں بڑھنے لگیں گی۔ ایک طرف ہوں گے پرائیویٹ اسکول کالجز جہاں غریب، پیسوں کی کمی کی وجہ سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ دوسری طرف غیر منظم و بے سہارا سرکاری اسکول کالجز، جہاں پڑھ کر ڈگری کے نام پر کاغذ کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔ یہی حال ہوگا میڈیکل انڈسٹری کا۔ ایک طرف ہوگا مہنگا علاج، جہاں غریب جا نہیں سکے گا دوسری طرف سرکاری ہسپتال جہاں علاج کی سہولیات نہیں۔ اگر مخلوط معاشی نظام بتا کر سرمایہ دارانہ نظام اپنانا شروع کیا جائے تو یہی نتائج ہوں گے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کا معاشی ڈھانچہ بتدریج اسی سرمایہ دارانہ نظام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

حکومت، ایک طرف تو مخلوط معاشی نظام کے بہانے سے غریب و پسماندہ طبقات کے لیے بقدر ضرورت اسکیمیں لاگو کر نہیں رہی ہے، اگر کرتی بھی ہے تو ان سے انتفاع کا طریقہ اتنا پیچیدہ ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی اکثریت ان تک پہنچ نہیں پاتی۔ دوسری طرف سرکاری جائیداد کو نجی ہاتھوں میں دے کر عوام کی استطاعت سے باہر کر رہی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج غریب طبقہ کو ترقی کے ذرائع میسر نہیں اور امیر ترقی کے سارے ذرائع پر قبضہ جما کر بیٹھا ہے جس بنا پر امیر اور غریب کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ہم دنیا کی چوتھی سب سے بڑی معیشت ہونے پر فخر کرتے ہیں، دوسری طرف فی کس مجموعی پیداوار (Per capita GDP) کے لحاظ سے 141 نمبر پر کھڑے ہیں۔

مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ایسا ملک جو پر کیپٹا جی ڈی پی کے لحاظ سے 141 نمبر پر کھڑا ہے وہاں کے کچھ پونجی پتی لوگ ایشیا کے سب سے امیر ترین اشخاص ہیں اور دنیا کے سب سے امیر لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں دولت کی غیر مساوی تقسیم کس قدر بڑھ چکی ہے۔ اور یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس لیے کہ حکومت پوشیدہ طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی پیروی کرنے لگی ہے، بغیر اس بات کی پرواہ کیے کہ اس کے نقصانات بھی بہت ہیں جن کی بھرپائی کیے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ترقی کے لیے ہمیں ملکی اداروں کو فروخت کرنے کی نہیں بلکہ انھیں امیر و غریب ہر کسی کے لیے قابل انتفاع بنانے کی ضرورت ہے۔ غریب و محتاج طبقوں کے لیے اہم کردار ادا کرنے والے سرکاری اداروں کی بقاو ترقی کے لیے بجٹ میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسے طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن سے امیر اور غریب کے درمیان فاصلے کو کم کیا جا سکے، ملکی وسائل ہر شخص کے لیے قابل انتفاع ہوں اور اجارہ داری کو ختم کیا جا سکے۔ ■■■

شعاعیں

لکی ڈرا کے ذریعے عمرہ وحج کا شرعی حکم

محمد سبطین رضا مرتضوی

دین متین اور شرع مبین نے جہاں عبادات کے ارکان و شرائط کو نہایت بسط و تفصیل سے واضح فرمایا، وہیں معاملات بالخصوص معاشیات کے لیے بھی وہ ضوابط جلیلہ عطا فرمائے جن کی اساس عدل محض اور طہارت باطن پر قائم ہے۔ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ طاعت و عبادت، بالخصوص حج و عمرہ جیسی عظیم سعادات کی قبولیت کا دار و مدار "طیب نفس" اور "رزق حلال" پر ہے۔ بارگاہ احدیت میں وہی نذرانہ شرف باریابی پاتا ہے جو آلائش حرام سے پاک اور تقویٰ کے قالب میں ڈھلا ہو۔

موجودہ دور فتن میں جہاں مادی ترقی نے مسافتیں سمیٹ دیں، وہیں تجارتی ملمع سازیوں اور مارکیٹنگ کے نت نئے حیلوں نے حلال و حرام کے مابین امتیاز کی لکیر کو دھندلا کر دیا ہے۔ "ٹور اینڈ ٹراولز" (Tor & Travels) کے نام پر قائم ایجنسیاں اور دیگر تجارتی ادارے، عوام الناس کو عمرہ وحج کی پرکشش اسکیموں کے دام تزویر میں پھنسا کر "صرف سو روپے میں عمرہ" اور "پانچ سو میں حج" جیسے خوش نما نعروں سے لبھاتے ہیں۔ ان تمام حیلہ سازیوں کو "لکی ڈرا" (Lucky Draw) یعنی قرعہ اندازی کا نام دیا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ انبوہ کثیر سے قلیل رقم بٹور کر خطیر رقم جمع کی جاتی ہے اور ایک دو نفوس کو لکی ڈرا یعنی قرعہ اندازی سے نام نکال کر سفر پر روانہ کر دیا جاتا ہے اور مابقی ہزاروں مسلمانوں کی کثیر رقم پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔

چوں کہ حج و عمرہ خالص عبادت ہے، نہ کہ سیر و سیاحت، لہٰذا کسی مومن مخلص کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس راہ میں شائبہ حرام کو بھی دخل دے۔ کیا یہ لکی ڈرا وہی "قمار" نہیں جسے قرآن مجید نے "رجس" (گندگی) اور "شیطانی عمل" سے تعبیر فرمایا ہے؟ ذیل میں اسی مسئلے کا شرعی و فقہی جائزہ، کتب معتبرہ کی روشنی میں رقم کیا جاتا ہے۔

لکی ڈرا کی ماہیت اور تقسیم شرعی:

لغت عرب میں اسے "القرعہ" سے تعبیر کرتے ہیں، جس سے مراد مبہم حق کو متعیّن کرنا ہے۔ اصطلاح حاضر میں یہ ایسا نظام ہے جس میں کسی انعام کی تخصیص محض اتفاق (Random Selection) پر موقوف ہو، قطع نظر اس کے کہ اس میں شریک ہونے والے کی کوئی محنت یا قابلیت شامل ہو۔

شرعی نقطۂ نظر سے لکی ڈرا کی تمام رائج شکلیں اصولی طور پر دو ہی خانوں میں منقسم ہیں: یا تو وہ قمار (جوا) ہوں گی یا ہبہ و تبرع (تحفہ)۔ انھیں دو اصولوں سے وہ تین صورتیں مستنبط ہوتی ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اول: حصول انعام کی طمع میں اپنا مال خطرے (Risk) پر لگایا جائے، یعنی نفع خالص ہو یا نقصان محض۔

دوم: بغیر کسی مالی عوض یا شرط فاسد کے، محض تبرعًا کوئی چیز حاصل ہو۔

سوم: اصل مقصود کسی شے کی خریداری ہو اور لکی ڈرا محض ایک ثانوی یا اضافی ترغیب کے طور پر شامل ہو۔

صورت اول: داخلہ فیس پر مبنی لکی ڈرا:

یہ وہ صورت شنیعہ ہے جس میں کوئی کمپنی یا ایجنسی حج و عمرہ کے نام پر اشتہار بازی کرتی ہے اور شرکت کے لیے ہر امیدوار پر ایک مخصوص رقم (بطور رجسٹریشن فیس یا کوپن کی قیمت) لازم قرار دیتی ہے۔ قرعہ اندازی کے بعد ایک دو افراد کو تو "خوش نصیب" قرار دے کر سفر پر روانہ کر دیا جاتا ہے، جب کہ سینکڑوں مسلمانوں کی رقم ضبط کر لی جاتی ہے جس کے بدلے انھیں کوئی شے یا خدمت حاصل نہیں ہوتی۔

ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہلسنت، اتر دیناج پور، بنگال 6297289394-sibtainraza160@gmail.com

یہ صورت قطعًا حرام، ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے۔ یہ بعینہ وہی ''میسر'' اور ''قمار'' (جوا) ہے جسے قرآن حکیم نے صراحۃً ''رجس'' اور ''شیطانی کام'' قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[المائدۃ:90]

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام، تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔[کنزالایمان]

مزید فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾[المائدۃ:91]

شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمھیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے؟۔[کنزالایمان]

اس قبیح فعل کی حرمت پر احادیث طیبہ بھی شاہد عادل ہیں۔ سرور کائنات ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: ''حُرِّمَ الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْكُوبَةُ'' شراب، جوا، اور ڈھول حرام قرار دے دی گئی ہے۔[ابوداؤد، کتاب الاشربۃ، رقم الحدیث:3696]

اور فقہاے کرام نے جوے کی جو تعریف بیان فرمائی ہے، وہ اس اسکیم پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔ یہاں شریک ہونے والے کا مال (فیس) یا تو بالکل ضائع ہو رہا ہے یا اسے کئی گنا زیادہ (عمرہ/حج پیکیج) مل رہا ہے، جو کہ جوے کی روح ہے۔ معجم لغۃ الفقہاء میں کچھ یوں منقول ہے: ''تعليق الملك على الخطر والمال من الجانبين''[معجم لغۃ الفقہاء، ص:276، حرف القاف، ط:دار النفائس بیروت]

یعنی اپنی ملکیت کو خطرے میں ڈالنا، اس حال میں کہ مال دونوں طرف سے ہو۔

محیط برہانی میں ہے: ''القمار مشتق من القمر الذی یزداد وینقص، سمي القمار قماراً،لان كل واحد من المقامرين ممن يجوز ان يذهب ماله الى صاحبه ويستفيد مال صاحبه، فيزداد مال كل واحد منهما مرة وينتقص اخرى، فاذا كان المال مشروطاً من الجانبين كان قماراً والقمار حرام ولان فيه تعليق تمليك المال بالخطر وانه لا يجوز''۔[محیط برہانی، ج:8، ص:14، کتاب الکراہیۃ والاستحسان، الفصل السابع فی المسابقۃ، ط:مکتبۃ الرشد، الریاض]

لفظ ''قمار'' ''قمر'' سے بنا ہے جو گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے اور قمار کو قمار اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی بازی لگانے والوں میں سے ہر ایک کا مال دوسرے کے پاس جانا، ممکن ہوتا ہے اور وہ مد مقابل کے مال سے نفع حاصل کر لیتا ہے، پس اس طرح ان میں سے ہر ایک کا مال بھی کبھی گھٹتا ہے اور کبھی بڑھتا ہے، پس جب مال جانبین سے مشروط ہو، تو یہ قمار ہو گا اور قمار حرام ہے، اس لیے کہ اس میں اپنے مال کو خطرے پر پیش کرنا ہے اور یہ جائز نہیں۔

نیز یہ ''أكل أموال بالباطل'' (ناحق طریقے سے لوگوں کا مال کھانا) کی بدترین صورت ہے، جس سے قرآن کریم نے سختی سے منع فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[النساء:29] اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔[کنزالایمان]

اس آیت کے تحت تفسیر قرطبی میں ہے: ''لا يأكل بعضكم مال أخيه بغير حق، فيدخل في هذا: القمار والخداع والغصوب ... وغير ذلك.'' تم میں سے کوئی بھی دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھائے، اس عموم میں جوا، دھوکا دہی، غصب وغیرہ سب داخل ہیں۔ لکی ڈرا کی اس صورت میں جیتنے والے کو جو رقم مل رہی ہے، وہ دراصل دوسرے ہارنے والے شرکا کا مال ہے جو اس نے ناحق حاصل کیا ہے۔

حج وعمرہ کی قبولیت کا مسئلہ:

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عبادت جیسے پاکیزہ مقصد

کے لیے ناپاک ذریعہ اختیار کیا جائے۔ یاد رہے کہ مال حرام سے کیا گیا حج و عمرہ اگرچہ بظاہر فرض ساقط کر دے (اگر تمام شرائط پوری ہوں)، مگر بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت سے محروم رہتا ہے۔ جیسا کہ ''بغیۃ الباحث'' میں ہے: ''ومن كسب مالا حراما لم تقبل له صدقة ولا عتق ولا حج ولا عمرة'' جس نے مال حرام کمایا، اللہ تعالیٰ نہ اس کا صدقہ قبول فرماتا ہے، نہ حج اور نہ عمرہ۔ [بغیۃ الباحث، ج:1، ص:309، مطبوعہ المدینۃ المنورۃ]

لہٰذا ایسی اسکیموں سے بچنا ہر مسلمان پر لازم و فرض ہے۔

صورت دوم: بغیر فیس و عوض لکی ڈرا:

یہ وہ صورت ہے کہ کوئی اسلامی بینک، فلاحی ادارہ یا کوئی صاحب خیر ادارہ اپنے کھاتہ داروں، ملازمین یا عام مسلمانوں کے لیے محض ترغیب و تالیف قلبی کے لیے عمرہ یا حج کی قرعہ اندازی کا اعلان کرے۔ اس میں شرکت کے لیے نہ کوئی داخلہ فیس لی جائے، نہ کوئی مالی شرط رکھی جائے اور نہ ہی کسی پروڈکٹ کی خریداری کو لازم کیا جائے۔

یہ صورت شرعًا جائز و مباح ہے، بلکہ اسے ''ہبہ'' (تحفہ) اور ''تبرع'' کے زمرے میں رکھا جائے گا۔ چوں کہ یہاں امیدوار کا اپنا کوئی مال داؤ پر نہیں لگا، نہ ہی اسے کسی مالی نقصان کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہاں جوے کی تعریف (نفع و نقصان کا خطرہ) مفقود ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ: ''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ''۔ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ [بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، رقم الحدیث:2445]

اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ جہاں حقوق برابر ہوں اور کسی ایک کو ترجیح دینا مقصود ہو، وہاں قرعہ اندازی ایک منصفانہ شرعی راستہ ہے، بشرطیکہ وہ قمار (جوئے) سے پاک ہو۔

صورت سوم: خریداری سے مشروط لکی ڈرا:

موجودہ تجارتی دنیا میں یہ صورت کثرت سے رائج ہے کہ ''ہماری دکان یا کمپنی سے مال خریدیں اور عمرہ یا حج کا کوپن پائیں''۔ اس کے متعلق شرع مطہرہ کا حکم دو جداگانہ حالوں پر مشتمل ہے:

(الف) قیمت میں اضافے کے ساتھ:

اگر وہ کمپنی اپنی شے کی قیمت لکی ڈرا کی وجہ سے مارکیٹ کے نرخ سے زائد کر دے (مثلاً سو روپے کا صابن ایک سو پچاس میں بیچے)، تو یہ ناجائز و حرام ہے۔ اس صورت میں خریدار جو زائد رقم (پچاس روپے) دے رہا ہے، وہ درحقیقت شے کے لیے نہیں بلکہ ''چانس'' (قسمت آزمائی) کے لیے دے رہا ہے۔ یہ جوے کی ایک لطیف اور پوشیدہ شکل ہے، جس سے اجتناب فرض ہے۔

(ب) مروجہ قیمت کے ساتھ:

اگر کمپنی اپنی مصنوعات اسی قیمت پر فروخت کر رہی ہے جو لکی ڈرا کے اشتہار سے قبل تھی یا جو مارکیٹ کا عام نرخ ہے، اور خریدار کی اصل نیت بھی وہ شے خریدنا ہی ہے، تو یہ جائز ہے۔ فقہ کا قاعدۂ جلیلہ ہے: ''التابع تابع'' ماتحت چیز اصل کے تابع ہوتی ہے۔ [الاشباہ النظائر، النوع الثانی، القاعدۃ الرابعہ]

یہاں اصل معاملہ ''بیع'' (خرید و فروخت) کا ہے اور لکی ڈرا ایک ثانوی و اضافی چیز ہے۔ چوں کہ بیع صحیح ہے، لہٰذا اس کے ساتھ ملنے والا انعام بھی جائز ہوگا۔ کمپنی یہ انعام اپنے منافع میں سے دیتی ہے تاکہ اس کی فروخت بڑھے۔ یہ ایک قسم کا ''وعدہ با لہبہ'' (تحفہ دینے کا وعدہ) ہے جو شرعًا جائز ہے۔

خلاصۂ کلام: حاصل تحریر یہ کہ اگر لکی ڈرا میں شرکت کے لیے ایک کوڑی بھی بطور فیس لی جائے، تو وہ ''قمار'' ہے اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والا سفر حج و عمرہ معصیت ہے۔ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ تو یہی ہے کہ عبادت الٰہیہ کے لیے انسان اپنے عرق ریزی سے کمائے ہوئے خالص حلال مال کو ترجیح دے، کہ ''إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا'' بیشک اللہ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ [مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث:1015]

تاہم اگر شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بغیر فیس یا صحیح خریداری کے ذریعے یہ سعادت مل جائے، تو اسے فضل الٰہی سمجھ کر شکر بجالانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، وعلمہ اتم واحکم۔ ☆

شعاعیں

مطالعۂ اصولِ حدیث کی ابتدا کہاں سے کریں؟

عمران رضا عطاری مدنی

درس نظامی میں پڑھایا جانے والا ایک فن جسے "اصول حدیث" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ فن سیکھنے سمجھنا ہر اس طالب علم کے لیے لازم وضروری ہے جس درس نظامی سے تعلق رکھتا ہے۔ فی زمانہ اس کو سیکھنے کی ضرورت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ بد مذہب، غیر مقلدین اور وہابیہ ہر موضوع پر حدیث، پھر علوم حدیث کے ابحاث کو چھیڑ کر مد مقابل کا خاموش کرانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے میں اگر یہ علم نہ سیکھا تو شاید ان کے ایک جملے "یہ حدیث صحیح نہیں" پر ہی انگشت بدندہ رہ جائیں گے، لہذا اس فن کو سیکھیں بلکہ مہارت حاصل کریں تاکہ ضرورت پڑنے پر دین وسنت کا دفاع کر سکیں!

اصول حدیث کی تعریف:

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معرفة القواعد التي يتوصل بها إلى معرفة حال الراوي والمروي. یعنی: ان قواعد کی معرفت جن سے راوی اور مروی (حدیث) کی پہچان حاصل ہو سکے۔

[النکت علی کتاب ابن الصلاح، ج:1، ص:225]

آسان لب و لہجے میں یوں سمجھیں جیسا کہ "نصاب علم حدیث شریف" ص:34 میں ہے:

ایسے قواعد کا جاننا جن کے ذریعہ سند اور متن کے احوال کی معرفت ہو۔ ''مصطلح الحدیث'' یا ''علوم الحدیث'' یا ''اصول حدیث'' پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کا اطلاق ''علم حدیث'' پر بھی ہوتا ہے۔

درس نظامی کے نصاب میں اصول حدیث کی مختلف کتابیں شامل ہیں، جن میں سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "نزهة النظر بشرح نخبة الفكر" ہے۔

کئی طلبہ کا یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ہم اصول حدیث کا مطالعہ کہاں سے شروع کریں، کون کون سے کتابیں پڑھیں، وغیرہ ذلک۔ ان کے لیے یہ عرض ہے کہ...

اصول حدیث ہو یا کوئی بھی فن اس کے لیے ابتدائی باتوں کا جاننا نہایت ضروری ہے، اور اس کے لیے ابتدائی کتب زیادہ نفع بخش ہوں گے، حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی بھی فن کی مضبوطی ابتدائی کتب سے ہوتی ہے، لہذا ان کو خوب اچھے سے پڑھا جائے!

اصول حدیث کے موضوع پر کتابیں زیادہ تر دو زبانوں میں پڑھی جاتی ہیں: ۔عربی ۔اردو ۔لہذا دونوں کی زبانوں کے ذریعہ علم حدیث حاصل کیا جاسکتا ہے، البتہ اردو کے بعد عربی کی طرف آنا، طلبۂ ہند و پاک کے لیے محدثین کا منہج و اسلوب اور آسان اصطلاحات کو کماحقہ سمجھنا عربی سمجھنے پر موقوف ہے۔

آئیے! کون سی کتاب مطالعہ کیا جائے مرحلہ وار، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

1 پہلا مرحلہ –اس مرحلے میں اصول حدیث پر لکھی گئی اردو اور عربی زبان میں بالکل بنیادی کتب کا مطالعہ کیا جائے جس سے اصول حدیث کی اصطلاحات اور مختصر مثالیں ذہن نشین کی جاسکیں۔ جیسے:

- مقدمة الشيخ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- اصول حدیث: علامہ نفیس احمد مصباحی
- نصاب اصول حدیث: مولانا افتخار عطاری مدنی
- نصاب علم حدیث شریف: عمران رضا عطاری مدنی

7860406883

2 دوسرا مرحلہ- اس مرحلے میں اصول حدیث کی اصطلاحات کو کما حقہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، ان کی مثالوں کو یاد کیا جائے، ساتھ میں مختصر انداز میں علت پر بھی غور کیا جائے۔ جیسے:

○تیسیر مصطلح الحدیث ○نزہۃ النظر ○قفو الأثر

3 تیسرا مرحلہ- اس مرحلے میں علم حدیث پر لکھی گئی ابتدائی دور کی کتب کا مطالعہ کیا جائے، بالخصوص وہ کتب جن میں سند کے ساتھ "اصول حدیث" کے مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

اس کی ترتیب یوں رکھی جائے کہ سب سے پہلے مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ کیا جائے اس کے بعد متقدمین کی کتب کو پڑھیں! جیسے: ○تدریب الراوی فی تقریب النووی ○الكفاية في علم الرواية ○الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ○ الإلماع إلى معرفة أصول الرواية وتقييد السماع○ معرفة علوم الحديث○المحدِّثَ الفاصلَ بين الراوي والواعي ○مالا يسع الْمُحَدِّث جهله

4 چوتھا مرحلہ- جب سے علامہ ابن صلاح شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم حدیث پر شاندار تحقیقی کتاب بنام علوم حدیث المعروف مقدمہ ابن صلاح تصنیف کی، اس وقت سے یہ محدثین کی توجہ کا مرکز بن گئی، مختلف جہت و ناحیت سے اس پر کام کیا گیا، کسی نے شرح لکھی، کسی نے تلخیص، کسی نے نظم میں پرویا، کسی نے اس نظم کی شرح لکھی، کسی نے تنقید کی، تو کسی نے مزید اضافہ فرمایا۔ اس کتاب کی مدح میں بڑے بڑے محدث رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

مشہور محدث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے متعلق "نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر" میں لکھتے ہیں:

فَاجْتَمَعَ فِي كِتَابِهِ مَا تَفَرَّقَ فِي غَيْرِهِ، فَلِهَذَا عَكَفَ النَّاسُ عَلَيْهِ وَسَارُوا بِسَيْرِهِ، فَلَا يُحْصَى كَمْ نَاظِمٍ لَهُ وَمُخْتَصِرٍ، وَمُسْتَدْرِكٍ عَلَيْهِ وَمُقْتَصِرٍ، وَمُعَارِضٍ لَهُ وَمُنْتَصِرٍ.

[نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، ص:82]

علامہ عراقی لکھتے ہیں:

أحسن ما صنف أهل الحديث في معرفة الاصطلاح كتاب علوم الحديث لابن الصلاح.

الغرض علم حدیث میں جتنا کام اس کتاب پر ہوا شاید کسی دوسری کتاب کے حصے میں اتنا کام نہ آیا۔ چوتھے مرحلے میں مقدمہ ابن صلاح پر لکھی گئی کتابوں کا تحقیقی انداز میں مطالعہ کرنا بے حد نفع بخش ہوگا۔ جیسے: ○النكت عَلَى مقدمة ابن الصَّلاَح للإمام الزركشي○محاسن الاصطلاح وتضمين كتاب ابن الصلاح للإمام البلقيني ○ التقييد والإيضاح لما أطلق وأغلق من كتاب ابن الصلاح للعراقي ○ النكت عَلَى كتاب ابن الصلاح للحافظ العسقلاني ○ فتح المغيث بشرح الفية الحديث للسخاوي

5 پانچواں مرحلہ- پانچویں مرحلے میں علوم حدیث کے دیگر علوم کا مطالعہ کیا جائے، جیسے : ○ مناهج المحدثين : للشيخ نايف البقاعي ○ دراسة الأسانيد : للشيخ نايف البقاعي ○ تخريج الحديث الشريف : للشيخ نايف البقاعي

6 چھٹا مرحلہ- مذکورہ پانچوں مراحل کو طے کرنے کے بعد ان شاء اللہ طالب علم کے اندر اس قدر صلاحیت اجاگر ہو جائے گی کہ وہ کسی بھی حدیث پر علم حدیث کی روشنی میں گفتگو کر سکے گا اور دراسے کے بعد اس پر کیا حکم لگے گا، وہ نتیجہ بھی اخذ کر سکے گا۔

انوار حیات

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

خصائص و کمالات

مولانا تحسین رضا نوری

جس طرح جملہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ السلام میں جو فضیلت و بزرگی ہمارے پیارے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اسی طرح یار غار و مزار، جانشین محبوب ربّ العالمین، رفیق حوض کوثر، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، آپ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے، آپ نے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنی پوری زندگی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی غلامی میں گزار دی، اپنی جان، مال، اولاد سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا، اسی وجہ سے آپ کو "افضل البشر بعد الانبیاء" کا شرف حاصل ہے، آپ سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین ہیں، آپ نے اپنے دور خلافت میں اپنی خداداد فہم و فراست اور عقل و دانائی سے امور خلافت میں چار چاند لگا دیے، اور فتنہ ارتداد، مانعین زکات اور مدعیان نبوت جیسے بے شمار فتنوں کا سر کچل کر رکھ دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبد اللہ اور والد کا نام قحافہ ہے، آپ عرب کے ایک مشہور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ظاہری حیات میں بھی آپ کے ساتھ سایے کی طرح رہے اور بعد وصال بھی آپ کے پہلوئے اقدس میں آرام فرما رہے ہیں، اور بروز قیامت بھی ان شاء اللہ العزیز حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دست اقدس میں اپنا ہاتھ لیے سنہری جالیوں سے باہر تشریف لائیں گے۔

فضائل حضرت صدیق اکبر احادیث کی روشنی میں:

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے تو احد پہاڑ ہلنے لگا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے احد! ٹھہر جا، اس وقت تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں"۔ (بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جبریل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میری یہ خواہش ہے کہ میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا، تاکہ میں بھی اس دروازے کو دیکھ لیتا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر! میری اُمت میں سب سے پہلے جنّت میں داخل ہونے والے شخص تم ہی ہوگے۔ (ابوداؤد)

حضرت سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: "کیا تم اس کے آگے چل رہے ہو جو تم سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد ابو بکر سے افضل کسی شخص پر نہ تو سورج طلوع ہوا اور نہ ہی غروب ہوا"۔ (فضائل الخلفاء)

اسی طرح بُخاری شریف کی حدیث ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یوں ارشاد فرمایا: جس شخص کی

شیر پور کلاں پورن پور پیلی بھیت۔ razatahseen531@gmail.com

صحبت اور مال نے مجھے سب لوگوں سے زیادہ فائدہ پہنچایا وہ ابوبکر ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلامی اخوت قائم ہے۔(بخاری)

ایک اور حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر جس کسی کا احسان تھا میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے، مگر ابوبکر کے مجھ پر وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ اللہ پاک انھیں روزِ قیامت عطا فرمائے گا"۔(ترمذی)

اقوال صحابہ و تابعین:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، کسی مومن بندے کے دل میں میری محبت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بغض جمع نہیں ہو سکتا"۔(تاریخ الخلفاء)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحب زادے حضرت محمد بن حنفیہ (جن کی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے علاوہ ایک خاتون تھیں) نے ایک مرتبہ حضرت علی سے پوچھا کہ: "حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد سب سے افضل اور سب سے بہتر شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر، پھر انھوں نے سوال کیا کہ اُن کے بعد کون؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عمر، اس کے بعد پوچھا کہ اُن کے بعد تو آپ ہی سب سے افضل ہیں نہ؟ تو آپ نے عاجزانہ طور پر ارشاد فرمایا کہ میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔(بخاری)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ایک مرتبہ میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ہمراہ تھا، کہ صدیق اکبر اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ دونوں انبیا و مرسلین کے علاوہ، اولین و آخرین میں سے ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہیں، اے علی! تم انھیں نہ بتانا۔"(ترمذی)

کسی نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ: حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں کیا مقام حاصل تھا؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: "آج جا کر دیکھ لو، جیسے آج اُن کے پہلو میں آرام فرما ہیں اور انھی ں بے مثال قرب حاصل ہے اسی طرح حضور کی ظاہری حیات میں بھی انھیں قرب حاصل تھا"۔(مسند احمد)

ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر سوال کیا: ابو بکر کے بارے میں مجھے کچھ بتائیے۔ آپ نے فرمایا: جناب صدیق کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ تو اس شخص نے عرض کی کہ آپ بھی انھیں صدیق کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "تیری ماں تجھے روئے، انھیں صدیق صرف میں نہیں کہتا، بلکہ مجھ سے افضل شخصیات نے انھیں صدیق کہا، خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں صدیق کے لقب سے سرفراز فرمایا، مہاجرین و انصار نے انھیں صدیق کہا، جو انھیں صدیق نہیں کہتا خدا کرے کی اُن کی کوئی بات سچی نہ ہو، پھر فرمایا: جا! اور جناب صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے محبت کر اور اُن کا غلام بن کے رہ، اور اگر اس پر کوئی گرفت ہوئی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں"۔(فضائل الصحابہ)

افضلیت صدیق اکبر:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اہل سنت و جماعت نصرہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ و رسل انبیاء بشر صلوات اللہ و تسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفاے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام مخلوقات الٰہی سے افضل ہیں، تمام اُمم اولین و آخرین میں سے کوئی شخص اُن کی بزرگی و عظمت عزت و جاہت قبول و کرامت قرب و ولایت کو نہیں پہنچ سکتا، پھر اُن میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل، صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم و احادیث کثیرہ

حضور پر نور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم وارشادات جلیلہ واضحہ امیر المومنین مولیٰ علی مرتضیٰ ودیگر ائمہ اہل بیت طہارت واجماع صحابہ کرام وتابعین عظام وتصریحات اولیاء اُمت وعلماء امت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہوسکتا"۔(فتاویٰ رضویہ شریف، جلد 28)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روز الست (یعنی میثاق کے دن) سے روز ولادت اور روز ولادت سے روز وفات اور روز وفات سے ابد الآباد (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) تک سردار مسلمین ہیں۔(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت)

ارشادات سیدنا صدیق اکبر:

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ پاک نے جو تمھیں نکاح کا حکم فرمایا، تم اس کی اطاعت کرو اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ پاک نے فرمایا: "اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ پاک انھیں اپنے فضل سے غنی کردے گا۔(تفسیر ابن ابی حاتم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہُ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا گناہوں کو اس قدر جلد مٹاتا ہے کہ پانی بھی آگ کو اتنی جلدی نہیں بجھاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا غلاموں کو آزاد کرنے سے افضل ہے۔(تاریخ بغداد)

اے لوگو! جھوٹ سے بچو، کیوں کہ جھوٹ ایمان کے مخالف ہے۔(مسند امام احمد)

جس سے ہوسکے وہ روئے، اور جس سے رونا نہ آئے وہ رونے جیسی صورت ہی بنالے۔(احیاء العلوم)

کسی مسلمان کو ہرگز حقیر مت سمجھو کیوں کہ ادنیٰ مسلمان بھی اللہ پاک کے نزدیک بڑے مرتبہ والا ہوتا ہے (الزواجر)

ہم نے عزت کو تقویٰ میں، مال داری کو یقین میں اور بزرگی کو عاجزی میں پایا۔(احیاء العلوم)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ایک پرندہ کو دیکھا تو ارشاد فرمایا: اے پرندے! کاش میں تیری طرح ہوتا اور مجھے انسان نہ بنایا جاتا۔(شعیب الایمان)

میں جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا تاکہ عبادت کی حلاوت نصیب ہو، اور جب سے اسلام قبول کیا ہے اللہ پاک کی ملاقات کے شوق کے سبب کبھی سیر ہو کر نہیں پیا۔(مختصر منہاج العابدین)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے وقت ارشاد فرمایا کرتے: لوگو! اٹھو، اپنے رب کی جس آگ کو تم نے بھڑکایا ہے اسے (نماز کے ذریعہ) بجھاؤ۔(مکاشفۃ القلوب، ملخص: اقوال صدیق اکبر)

ربِّ کریم ہم سب کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی فیضان سے مالا مال فرمائے، اور آپ کے وسیلہ سے دلی جائز تمنائیں، آرزوئیں، خواہشیں پوری فرمائے، حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم سے بے پناہ عشق ومحبت کرنے کی عطا فرمائے، اور جلد از جلد خانہ کعبہ اور مدینۃ المنورہ کی باادب حاضری نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین بجاہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہ اجمعین۔

☆☆☆

اردو، ہندی، انگلش، فارسی اور عربی کتب کی
کمپوزنگ، سیٹنگ، طباعت
اور ہر قسم کے کلینڈر، پوسٹر، اور بینر کی ڈیزائننگ
اور طباعت کے لیے رابطہ کریں۔

پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور

9235647041
payamee@gmail.com

آئینۂ عالم

ایران تو وہی کر رہا ہے جو اس نے کہا

روحان احمد

ایران پر امریکی اور اسرائیلی حملوں سے کئی ہفتوں قبل سے ہی ایران کے رہبرِ اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای سمیت متعدّد ایرانی حکومتی عہدیدار یہ تنبیہ کرتے آئے تھے کہ کسی بھی حملے کی صورت میں صرف تہران نہیں بلکہ پورا خطہ ایک نئی جنگ کی لپیٹ میں آجائے گا۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی 47ویں سالگرہ کے موقع پر خامنہ ای نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اگر اس بار امریکہ نے جنگ شروع کی تو یہ پورے خطے تک پھیل جائے گی۔

اسرائیلی اور امریکی حملوں کے جواب میں ایرانی ردِعمل دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تہران اپنی ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ سنیچر 28 فروری 2026 کو ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے حملوں کے بعد تہران نے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر اور متحدہ عرب امارات میں موجود اہداف پر میزائل حملے کیے ہیں۔

ان ممالک میں امریکی فوجی اڈوں اور امریکی فوجی اہلکاروں کی موجودگی کوئی راز نہیں ہے۔ امریکی محکمہ دفاع نے اگست 2024 میں بتایا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں اِس کے تقریباً 40 ہزار فوجی اہلکار موجود ہیں۔ قطر میں العدید ایئر بیس امریکہ کے زیرِ استعمال ہے، جب کہ اُردن میں 'ٹاور 22' پر بھی امریکی فوجی اہلکار تعینات ہیں۔ امریکی فوجی قطر کے علاوہ بحرین، کویت، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، شام، اُردن، مصر، قبرص اور عراق میں بھی موجود ہیں۔ امریکہ کے کویت میں بھی متعدّد فوجی اڈے ہیں جب کہ سعودی عرب میں بھی اس کے دو اڈے ہیں۔

ایرانی میزائلوں حملوں کی لپیٹ میں آنے والے متعدّد خلیجی ممالک نے ان حملوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ جواب دینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ تو ایسے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایران مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں اہداف کو نشانہ کیوں بنا رہا ہے اور تہران کی اس حکمتِ عملی کے مشرقِ وسطیٰ پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

یونیورسٹی آف برمنگھم سے وابستہ پی ایچ ڈی محقق عمر کریم سمجھتے ہیں کہ فی الوقت مشرقِ وسطیٰ کے ممالک خود کو صرف ایرانی حملوں کی مذمت تک ہی محدود رکھیں گے۔

ان کا کہنا ہے کہ آگے چل کر اگر اس نوعیت کے حملے امریکی اہداف تک ہی محدود رہتے ہیں اور ان خلیجی ممالک کے اپنے انفراسٹرکچر اور خصوصاً تیل کی تنصیبات کو زیادہ نقصان نہیں ہوتا، تو خطے کے ممالک زیادہ تر خود کو مذمتی کی بیان بازی تک ہی محدود رکھیں گے۔

ایران کے اس نوعیت کے اقدامات اور اس کے ممکنہ نتائج پر مزید بات کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ فوری طور پر ہمیں تیل کی قیمتوں میں اضافے کی توقع رکھنی چاہیے اور اس کے علاوہ ہمیں ممکنہ طور پر عراق میں شیعہ مسلح گروہوں کی طرف سے امریکی اور اسرائیلی اہداف پر چند حملے دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔

دیگر تجزیہ کاروں کے لیے ایرانی ردِعمل بالکل حیران کُن بات نہیں ہے۔

امریکی تھنک ٹینک سٹمسن سینٹر سے منسلک باربرا اسلاون حالیہ دنوں میں ایرانی عہدیداروں کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ: ایران وہی کر رہا ہے جس کا اس نے ممکنہ امریکی یا اسرائیلی حملے کی صورت میں وعدہ کیا تھا۔

وہ کہتی ہیں کہ خلیجی ممالک میں موجود اہداف پر میزائل حملوں سے ایران کے ان ممالک کے ساتھ مراسم ضرور متاثر ہوں گے۔ تاہم ان کے مطابق ایران نے ان ممالک کو پہلے ہی خبر دار کر دیا تھا کہ 'اگر وہ ٹرمپ انتظامیہ کو حملوں سے باز رکھنے میں ناکام رہے تو پھر یہی کچھ ہوگا۔

کچھ تجزیہ کار سمجھتے ہیں کہ ایران اپنے حملوں سے خلیجی ممالک پر دباؤ ڈالنا چاہتا ہے تاکہ وہ ٹرمپ انتظامیہ کو جنگ جلدی ختم کرنے پر قائل کر سکیں۔

عرب گلف سٹیٹس انسٹیٹیوٹ سے منسلک ڈاکٹر عزیز الغاشین نے کہا کہ یہ بالکل واضح ہے کہ ایران اس تنازع کو اسرائیل اور امریکہ تک محدود نہیں کرنا چاہتا بلکہ پورے خطے تک پھیلانا چاہتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ عرب خلیجی ممالک کو معلوم تھا کہ انھیں اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ ایران کی خلیجی ممالک کو نشانہ بنانے کی حکمت عملی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو ان کا کہنا تھا کہ ایران چاہتا ہے کہ اس جنگ میں نقصانات بڑھیں، مقصد یہ ہے کہ خلیجی ممالک ٹرمپ پر زور دیں کہ یہ جنگ بند کی جائے۔

آگے کیا ہو سکتا ہے؟ امریکی صدر ٹرمپ نے حملوں کے آغاز کے بعد کہا ہے کہ ایران میں حکومت کی تبدیلی (رجیم چینج) اُن کا ہدف ہے اور یہ کہ ایران کے عوام کو سڑکوں پر نکل کر اقتدار کی تبدیلی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

امریکی ہدف پر تبصرہ کرتے ہوئے باربرا اسلاون کہتی ہیں کہ 'امریکی حملوں میں سینیئر ایرانی عہدے دار مارے جا سکتے ہیں، یہاں تک کہ رہبرِ اعلیٰ بھی ہلاک ہو سکتے ہیں (خبر ہے کہ خامنہ ای اسرائیلی حملوں میں ہلاک ہو چکے ہیں) لیکن اس کے جواب میں ہمیں ایران میں ایک اور آمرانہ حکومت نظر آئے گی یا پھر طویل افراتفری۔

دوسری جانب برمنگھم یونیورسٹی سے منسلک پی ایچ ڈی محقق عمر کریم سمجھتے ہیں کہ مختصر دورانیے میں امریکہ اور اسرائیل ایرانی کی فوجی اور میزائل صلاحیتوں کو کم کرنے کے لیے حملے جاری رکھ سکتے ہیں اور توقع کریں گے کہ ایران کی جوابی حملے کرنے کی صلاحیت کم ہو جائے۔

وہ سمجھتے ہیں کہ انھیں نہیں لگتا کہ موجود امریکی اور اسرائیلی حملوں کا مقصد حکومت کی تبدیلی ہے۔

وہ زیادہ سے زیادہ عسکری اور سویلین عہدے داروں کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایران میں ایک حکومت مخالف احتجاجی مہم کو دوبارہ شروع کروانے کی کوشش کریں۔

ایران میں جو کشیدہ حالات ہیں انھیں دیکھ کر لگتا ہے کہ حکومت کی تبدیلی اس کے نتائج میں شامل ہو سکتا ہے۔ تاہم خلیجی ممالک کی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے ڈاکٹر عزیز الغاشین سمجھتے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک نہ صرف اس جنگ سے متاثر ہو رہے ہیں بلکہ انھیں ٹرمپ انتظامیہ کے عمل سے بھی مایوسی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر عزیز الغاشین کہتے ہیں کہ اس تنازع کا نتیجہ جو کچھ بھی نکلے لیکن انھیں نہیں لگتا کہ اب ایران اور خلیجی ممالک کے درمیان تعلقات میں عنقریب کوئی بہتری آئے گی۔

انھوں نے مزید کہا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کا ساتھ دیں گے۔ وہ ٹرمپ انتظامیہ سے بھی مایوس ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایران کے خلاف ان حملوں کی ضرورت نہیں تھی۔

انھوں نے کہا کہ حالیہ حملوں کے بعد مذاکرات اور سفارت کاری متاثر ہوئی ہے اور بظاہر صورت حال مزید خراب ہوئی ہے اور خطے اب نئی جنگ کی آگ میں بھڑک رہا ہے۔

■■■

یادِ ماضی

ساورکر کی دیش بھکتی

اور ارون شوری کے انکشافات

مہتاب پیامی

ڈاکٹر پنکج شریواستو

ڈاکٹر پنکج شری واستو معروف ہندی صحافی، تجزیہ نگار اور سیاسی مبصر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ وہ عصری ہندوستانی سیاست، جمہوریت، سیکولرازم اور سماجی انصاف جیسے موضوعات پر دوٹوک اور تحقیقی انداز میں لکھنے کے لیے معروف ہیں۔ ان کی تحریروں میں دستاویزی حوالوں، تاریخی تناظر اور معروضی دلائل کا خاص اہتمام ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سنجیدہ قارئین کے حلقے میں معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ ٹی وی مباحثوں اور عوامی مکالموں میں وہ اپنی مدلل گفتگو اور تنقیدی نقطۂ نظر کے سبب پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی صحافت کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ طاقت کے مراکز سے سوال کرتے ہیں اور سیاسی بیانیوں کو تاریخی و آئینی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کی تحریروں کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ آزادی کی تحریک، جمہوری اقدار اور آئینی اصولوں کو موجودہ سیاسی حالات کے ساتھ جوڑ کر دیکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اکثر متنازع موضوعات پر بھی بے لاگ اظہارِ خیال کرتے ہیں، جس سے ان کی شناخت ایک بے باک اور تحقیقی صحافی کے طور پر قائم ہوئی ہے۔ ان کی صحافت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ تاریخ اور حال کے درمیان مضبوط ربط قائم کرتے ہیں۔ وہ آزادی کی تحریک، آئینِ ہند اور جمہوری اداروں کی تشکیل کے پس منظر کو سامنے رکھ کر موجودہ سیاسی فیصلوں اور بیانیوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحافت کا اصل فریضہ محض خبر دینا نہیں بلکہ اقتدار کے دعووں کو دستاویزی شواہد کی روشنی میں پرکھنا بھی ہے۔ اسی لیے ان کے مضامین میں حوالہ جات، تاریخی اقتباسات اور عدالتی یا سرکاری دستاویزات کا ذکر نمایاں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر شریواستو نے میڈیا کے بدلتے ہوئے کردار پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ کارپوریٹ اثرات، پروپیگنڈا سیاست اور نیوز روم کی ترجیحات میں آنے والی تبدیلیوں کو جمہوری صحت کے لیے ایک چیلنج کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے مطابق آزاد اور تنقیدی صحافت ہی وہ ستون ہے جو جمہوریت کو توازن فراہم کرتا ہے، ورنہ یک طرفہ بیانیہ معاشرے میں تقسیم اور غلط فہمیوں کو جنم دیتا ہے۔ ان کی نثر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ وہ پیچیدہ سیاسی مباحث کو عام قاری کی سمجھ میں آنے والی زبان میں بیان کرتے ہیں، جس سے ان کی تحریریں وسیع حلقۂ قارئین تک پہنچتی ہیں۔ اختلافی موضوعات پر بھی وہ دلیل اور شواہد کو بنیاد بناتے ہیں، جس سے ان کی شناخت ایک سنجیدہ، مطالعہ رکھنے والے اور بے لاگ صحافی کے طور پر مستحکم ہوئی ہے۔ زیر نظر مضمون کے بیش تر حصے ڈاکٹر پنکج کے ہندی مضمون سے ماخوذ ہیں جو مختلف آن لائن پلیٹ فارمز پر شائع ہو چکے ہیں۔ (مہتاب پیامی)

ویناک دامودر ساورکر کی "بہادری" پر سوال اٹھانے والے راہل گاندھی نہ صرف بی جے پی کے نشانے پر ہیں، بلکہ انھیں اس معاملے میں کئی قانونی پیچیدگیوں کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن آر ایس ایس کے قریبی سمجھے جانے والے صحافی اور

payamee@gmail.com 9235647041

اٹل بہاری واجپئی حکومت میں مرکزی وزیر رہ چکے **ارون شوری** نے اپنی ایک نئی کتاب کے ذریعے ساورکر کے حامیوں کو آئینہ دکھایا ہے۔ ارون شوری کی اس کتاب کا نام **'دی نیو آئیکن ساورکر اینڈ دی فیکٹس'** ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ساورکر کی حب الوطنی اور شجاعت کے حوالے سے مشہور قصوں کی تحقیق کی ہے اور انھیں ''جھوٹا اور من گھڑت'' پایا ہے۔ کتاب کے منظرِ عام پر آنے کے بعد ساورکر کو ''بھارت رتن'' دلوانے کی مہم چلانے والے آر ایس ایس اور بی جے پی کے نظریہ ساز خاموش ہیں۔ وہ واقف ہیں کہ راہل گاندھی کی طرح شوری کو 'غیر ملکی ایجنٹ' قرار دینا اتنا آسان نہیں ہوگا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ارون شوری نے ایک ذہین صحافی کی طرح اپنی ہر بات کا ثبوت ساورکر کی اپنی تحریروں اور اس دور کے مستند دستاویزات سے دیا ہے، جنھیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ انڈمان کی جیل جانے سے پہلے ساورکر یقیناً ایک انقلابی کردار میں تھے۔ اگرچہ ان کا یہ کردار براہِ راست ''ایکشن'' میں شامل ہونے کے بجائے دوسروں کو مہرہ بنانے تک محدود تھا۔ لیکن ایک بار جیل جانے کے بعد ساورکر نے جس طرح گڑگڑا کر انگریزوں سے معافی مانگی اور رہا ہو کر قومی تحریک کے خلاف کام کرنے، خاص طور پر ہندو مسلم تقسیم کے لیے کام کرنے کا وعدہ کیا، اس نے ان کے سابقہ تمام کاموں پر پانی پھیر دیا۔

اس کتاب میں شوری نے ساورکر کے ذات پات، چھوت چھات یا گائے کی پوجا جیسی روایات کی عقلی بنیادوں پر مخالفت کو بھی اجاگر کیا ہے (گائے کی پوجا کے بارے میں ساورکر کے خیالات سنگھ کی شاخ سے تربیت یافتہ کسی بھی شخص کے لیے ناقابلِ برداشت ہو سکتے ہیں!)۔ لیکن اصل مسئلہ ان کے سیاسی نظریات ہیں، جن کی قبولیت کے لیے ساورکر کو ''ویر'' (بہادر) ثابت کرنا ضروری تھا۔ شوری کی کتاب ساورکر کی بہادری کے تمام قصوں کی چھان بین کرتے ہوئے انھیں فرضی ثابت کرتی ہے۔

ساورکر نے چترگپت کے فرضی نام سے خود ایک کتاب لکھ کر اپنے آپ کو ''ویر'' کا خطاب دیا تھا۔ خود نمائی کی ایسی کوشش شاید ہی کسی اور نے کی ہو۔ اس کتاب کے بعد ان کے حامیوں نے انھیں ''ویر ساورکر'' کہنے کی عوامی مہم چلائی اور کئی کہانیاں گھڑی گئیں۔ تقریر کے ماہر سابق لیڈر اٹل بہاری واجپئی عوامی جلسوں میں سمندر کے بیچ جہاز سے کود کر ساورکر کے فرار ہونے کی کہانی بڑے جوش و خروش سے سناتے تھے۔ لیکن شوری نے ثابت کیا ہے کہ سمندر کے بیچ جہاز سے چھلانگ لگانے کا قصہ من گھڑت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاز اس وقت کھلے سمندر میں نہیں بلکہ فرانس کی مارسیلے بندرگاہ پر ایندھن لینے کے لیے کھڑا تھا اور وہ کھڑکی سے نکل کر بھاگے تھے۔ ساورکر نے بمشکل دس پندرہ فٹ کا اتھلا پانی پار کیا تھا، نہ کہ کئی کلومیٹر تیر کر ساحل تک پہنچے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ انھیں فوراً ہی دوبارہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

1952 میں ساورکر نے پونے میں ایک تقریر کے دوران دعویٰ کیا تھا کہ سبھاش چندر بوس کا 1941 میں کلکتہ سے فرار ہونا اور آزاد ہند فوج کی سرگرمیاں ان کی اور بوس کی گفتگو کا نتیجہ تھیں۔ ارون شوری نے اس دعوے کو بھی دستاویزی ثبوتوں سے مسترد کر دیا ہے۔ بوس نے خود اس بارے میں لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس وقت ساورکر اور جناح میں کوئی فرق نہیں تھا۔ شوری نے 1911 سے 1920 کے درمیان انڈمان کی سیلولر جیل سے برطانوی حکومت کو لکھے گئے ساورکر کے معافی ناموں کی وہ سیریز بھی پیش کی ہے، جسے پڑھ کر کسی بھی محب وطن کو شرمندگی ہو سکتی ہے۔ ان خطوط میں وہ بار بار خود کو برطانوی سلطنت کے لیے 'مفید' ثابت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

ساورکر 'اکھنڈ ہندوستان' کا نعرہ لگاتے تھے لیکن آزادی کے بعد وہ تقریباً 19 سال زندہ رہے اور اس سمت میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ ان کی پوری زندگی ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ اور دشمن قوموں کے طور پر ثابت کرنے میں گزری۔ انھوں نے

یہ نظریہ قیامِ پاکستان کے مطالبے سے بھی پہلے پیش کر دیا تھا، جس کے لیے جناح نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ انگریز تو خیر ہمیشہ ان کے شکر گزار رہے۔

ارون شوری نے ساورکر کی تحریروں کے وہ اقتباسات سامنے رکھے ہیں جن پر اکثر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انھوں نے یاد دلایا کہ اپنی کتاب 'سکس گلوریس ایوچس آف انڈین ہسٹری' میں ساورکر نے ہٹلر اور جاپانی جنرل توجو کی تعریف کی ہے۔ 1963 میں شائع ہونے والی اس کتاب میں ساورکر نے معذور بچوں کو ختم کرنے کے نازی منصوبے کی بھی ستائش کی ہے۔ ساورکر بھارت کے لیے جمہوری نظام کو غیر موزوں سمجھتے تھے، کیوں کہ ان کے خیال میں یہاں کے لوگ 'جاہل' ہیں۔ وہ 'ایک فرد کی آمریت' کو ترجیح دیتے تھے۔

یہ کتاب ایک ایسے وقت میں آئی ہے جب راہل گاندھی تمام تر خطرات کے باوجود ساورکر کے گرد بنے گئے اس طلسم کو توڑنے میں جٹے ہوئے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ تحریکِ آزادی سے دور رہنے والا آر ایس ایس، ساورکر کو اپنے کیمپ کا 'مجاہدِ آزادی' ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ناتھورام گوڈسے کے استاد ساورکر کی تصویر پارلیمنٹ کے مرکزی ہال میں لگانے کی جسارت تو واجپئی دور میں ہی کی جا چکی ہے۔ راہل گاندھی نے حال ہی میں پونے کی عدالت میں اپنے خلاف جاری مقدمے کی نوعیت بدلنے کی درخواست کی ہے، تاکہ اس معاملے کی تعلیمی اور تاریخی سطح پر تفصیلی تحقیقات ہو سکیں۔

2023 میں ساورکر کے ایک رشتہ دار ساتیکی ساورکر نے راہل گاندھی کے خلاف ہتکِ عزت کا دعویٰ کیا تھا۔ بی جے پی اس پر بہت خوش تھی، لیکن راہل گاندھی جس طرح اس معاملے کو تاریخی شواہد کی بنیاد پر عدالت میں لے جا رہے ہیں، وہ بی جے پی کے لیے مصیبت بن سکتا ہے۔ خاص طور پر جب ان کے اپنے پرانے ساتھی ارون شوری نے ہی ساورکر کے نام پر جاری اس "حقائق کی ہیرا پھیری" کو بے نقاب کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ ساورکر کے معافی مانگنے کی بات کسی بائیں بازو کے مورخ نے نہیں، بلکہ دائیں بازو کے مشہور مورخ آر سی مجمدار نے ہی اپنی کتاب میں درج کی تھی۔ 1975 میں بھارت سرکار کے شعبۂ نشریات سے شائع ان کی کتاب "پینل سیٹلمنٹس اِن دَانڈمانس" میں ساورکر کے شرم ناک معافی نامے درج ہیں۔ 1913 میں بھیجی گئی ایک رحم کی اپیل میں ساورکر نے لکھا تھا کہ:

"آخر میں حضور میں آپ کو پھر سے یاد دلانا چاہتا ہوں کہ مہربانی کرتے ہوئے سزا معافی کے لیے 1911 میں بھیجی گئی میری درخواست پر پھر سے غور کریں اور اسے بھارت سرکار کو فارورڈ کرنے کا حکم جاری کریں۔

بھارتی سیاست کے حالیہ واقعات اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کی سرکاری حکمتِ عملی نے قانون پسند راستے کو ایک بار پھر سے کھول دیا ہے، اب بھارت اور انسانیت کی بھلائی چاہنے والا کوئی بھی شخص اندھا ہو کر ان خارزاروں پر نہیں چلے گا جیسا کہ 1906-1907 کی ناامیدی اور جوش و جذبات سے بھرے ماحول نے ہمیں امن اور ترقی کے راستے سے بھٹکا دیا تھا۔

جب تک ہم جیل میں رہیں گے، اس وقت تک حضورِ والا کی سینکڑوں ہزاروں وفادار رعایا کے گھروں میں حقیقی خوشی اور مسرت نہیں آسکتی، کیوں کہ خون کے رشتے سے بڑھ کر کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ اگر ہمیں رہا کر دیا جائے تو لوگ خوشی اور شکر گزاری کے ساتھ حکومت کے حق میں نعرے لگائیں گے، جو سزا دینے اور انتقام لینے سے زیادہ معاف کرنا اور اصلاح کرنا جانتی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر آئینی راستہ اختیار کرنے میں میرا یہ قلبی تغیر اُن تمام گمراہ نوجوانوں کو، جو ہندوستان اور بیرونِ ہند مجھے کبھی اپنا رہنما سمجھتے تھے، درست راہ پر لے آئے گا۔ حکومتِ ہند جس صورت میں چاہے، میں اس کی خدمت کے لیے تیار

ہوں، کیوں کہ جس طرح یہ تبدیلی میری اندرونی آواز کا نتیجہ ہے، اسی طرح میرا آئندہ طرزِ عمل بھی ہوگا۔ مجھے جیل میں رکھنے سے آپ کو جو فائدہ ہو سکتا ہے، وہ میری رہائی سے حاصل ہونے والے فائدے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

جو طاقتور ہوتا ہے وہی درگزر بھی کر سکتا ہے، اور ایک سعادت مند بیٹا حکومت کے دروازے کے سوا اور کہاں لوٹ سکتا ہے؟ امید ہے حضور میری درخواستوں پر عنایت اور مہربانی سے غور فرمائیں گے۔"

جن وجوہات کی بنا پر آر ایس ایس ساورکر کو "ویر" کہتا ہے، ساورکر ان ہی سے مذکورہ بالا اپیل میں توبہ کرتے نظر آتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انگریزوں نے انھیں رہا کر کے ہندو مسلمانوں کے درمیان زہر گھولنے کے لیے استعمال کیا۔ آزادی کے بعد آر ایس ایس بھی اسی نقشِ قدم پر چل کر اقتدار تک پہنچی، اور ملک آج تک اس کی قیمت چکا رہا ہے۔

ارون شوری نے اپنی کتاب میں ساورکر کی تحریروں اور برطانوی دستاویزات کے حوالے سے کئی چونکا دینے والے انکشافات کیے ہیں۔ کچھ مزید اہم نکات اور اقتباسات کا مفہوم درج ذیل ہے:

ارون شوری کے مطابق ساورکر نازی ازم کے بہی خواہ تھے، انھوں نے ہٹلر اور نازی ازم کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ جرمنی کو اپنے ملک کی نسلی پاکیزگی برقرار رکھنے کے لیے یہودیوں کے ساتھ جو کرنا پڑا، وہ درست تھا۔ انھوں نے ہٹلر کے اس نظریے کی حمایت کی کہ کمزور اور معذور افراد معاشرے پر بوجھ ہیں اور انھیں ختم کر دینا چاہیے۔

شوری کے مطابق، ساورکر کا یہ نظریہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ انسانی حقوق اور جمہوریت کے بجائے طاقت اور آمریت کے قائل تھے۔

آر ایس ایس اکثر یہ دعویٰ کرتی ہے کہ نیتا جی سبھاش چندر بوس نے ساورکر کے مشورے پر آزاد ہند فوج بنائی تھی۔ ارون شوری نے اس دعوے کو تاریخی دستاویزات سے غلط ثابت کیا ہے۔

شوری لکھتے ہیں کہ جب نیتا جی برطانوی فوج کے خلاف لڑنے کے لیے نوجوانوں کو متحرک کر رہے تھے، اس وقت ساورکر برطانوی فوج میں ہندوؤں کی بھرتی کے لیے مہم چلا رہے تھے تاکہ وہ برطانوی سلطنت کے وفادار سپاہی بن کر دوسری جنگِ عظیم میں حصہ لیں۔

شوری نے نیتا جی کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے جس میں انھوں نے ساورکر اور جناح، دونوں کو ایک ہی سکے کے دو رخ قرار دیا تھا جو مذہب کی بنیاد پر ملک کو تقسیم کر رہے تھے۔

عام طور پر ساورکر کو "اکھنڈ بھارت" کا علمبردار کہا جاتا ہے، لیکن ارون شوری نے ثابت کیا ہے کہ وہ "دو قومی نظریے" کے اصل بانیوں میں سے ایک تھے۔ 1937 میں احمد آباد میں ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں ساورکر نے کہا تھا کہ "ہندوستان ایک قوم نہیں ہے، بلکہ یہاں دو بڑی قومیں آباد ہیں، ہندو اور مسلمان۔"

شوری بتاتے ہیں کہ جب محمد علی جناح سے دو قومی نظریے پر سوال ہوا، تو انھوں نے طنزیہ طور پر کہا تھا کہ وہ ساورکر کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اس نظریے کو اتنی وضاحت سے پیش کر دیا۔

شوری نے ساورکر کے اس دعوے پر بھی سوال اٹھایا ہے کہ انھوں نے یہ اپیلیں صرف جیل سے باہر نکل کر ملک کی خدمت کرنے کی حکمتِ عملی کے طور پر لکھی تھیں۔ شوری کے مطابق، ساورکر کی تحریریں محض حکمتِ عملی نہیں تھیں بلکہ وہ برطانوی حکومت کو یقین دلا رہے تھے کہ وہ ان کے سب سے

وفادار خادم بن کر رہیں گے۔ انھوں نے جیل میں موجود دیگر انقلابیوں کے برعکس، انگریزوں کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ تحریکِ آزادی کے نوجوانوں کو کیسے سدھار سکتے ہیں۔

ارون شوری کی یہ کتاب اس لیے بھی اہم ہے کہ انھوں نے کسی جذباتی تقریر کے بجائے "نیشنل آرکائیوز آف انڈیا" اور ساورکر کی اپنی لکھی ہوئی کتابوں کے صفحات کے نمبروں کے ساتھ اپنے تمام دعوؤں کے ثبوت بھی پیش کیے ہیں۔

ارون شوری کی یہ کتاب محض ایک سیاسی تنقید نہیں بلکہ تاریخی حقائق کا وہ آئینہ ہے جس نے ساورکر کے گرد بنے گئے "ویر تا" (بہادری) کے طلسم کو منطقی بنیادوں پر پاش پاش کر دیا ہے۔ شوری نے ثابت کیا ہے کہ تاریخ کو جذباتی تقاریر یا من گھڑت قصوں کے ذریعے عارضی طور پر تو بدلا جا سکتا ہے، لیکن جب دستاویزی ثبوتوں کے کٹہرے میں حقائق کا سامنا ہوتا ہے، تو صرف وہی سچ باقی بچتا ہے جو وقت کی گرد میں چھپایا گیا تھا۔ ساورکر کی اپنی تحریریں اور برطانوی حکومت کو لکھے گئے شرمناک معافی نامے اس بات کی ناقابلِ تردید گواہی دیتے ہیں کہ ان کا سیاسی سفر ایک انقلابی کے طور پر شروع ضرور ہوا تھا لیکن قید کی پہلی ہی سختی نے انھیں برطانوی وفاداری اور فرقہ وارانہ تقسیم کے راستوں کا مسافر بنا دیا۔

دوسری طرف، یہ کتاب ان سیاسی نظریات کی بنیادوں پر بھی کاری ضرب لگاتی ہے جن پر موجودہ دور کی سیاست کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ ساورکر کا "دو قومی نظریہ" نازی آمریت کی حمایت اور جمہوریت کے بجائے ایک فرد کی حکمرانی پر یقین، یہ تمام وہ پہلو ہیں جنھیں قوم پرستی کے نام پر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ ارون شوری نے کسی تعصب کے بغیر ساورکر کے ان متنازعہ خیالات کو انھی کی کتابوں کے حوالوں سے پیش کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ "ہندوتوا" کے بانی کے تصورِ بھارت میں نہ تو مساوات کی جگہ تھی اور نہ ہی انسانی حقوق کی، بلکہ وہ ایک ایسی نظریاتی بالادستی کے قائل تھے جو ملک کی سالمیت کے لیے خطرناک ثابت ہوئی۔

راہل گاندھی کی جانب سے ساورکر کی تاریخ کو عدالت میں چیلنج کرنا اور اب ارون شوری جیسے قدامت پسند کیمپ کے قریبی دانشور کا انھی حقائق کی تصدیق کرنا، بی جے پی اور آر ایس ایس کے لیے ایک بڑا سیاسی و علمی بحران بن چکا ہے۔ یہ صورت حال ثابت کرتی ہے کہ حب الوطنی اور مصلحت پسندی میں ایک واضح فرق ہوتا ہے؛ اور وہ لوگ جنھوں نے تاریخ کے نازک ترین موڑ پر مادرِ وطن کے بجائے نوآبادیاتی طاقتوں کو اپنی خدمات پیش کیں، انھیں ان سرفروشوں کے برابر کھڑا نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے کالا پانی کی صعوبتیں تو سہیں مگر کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ تاریخ کے ساتھ یہ کھلواڑ زیادہ عرصے تک نہیں چل سکتا کیوں کہ حقائق ہمیشہ فسانوں پر بھاری رہتے ہیں۔

ارون شوری کی یہ تحقیق ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ کسی بھی شخصیت کو آئیکن بنانے سے پہلے اس کے کردار کا علمی اور تاریخی محاسبہ ضروری ہے۔ ساورکر کو "ویر" ثابت کرنے کی مہم دراصل ایک مخصوص سیاسی بیانیے کو جلا بخشنے کی کوشش تھی، جسے شوری نے جرأت مندی کے ساتھ بے نقاب کر دیا ہے۔ اب یہ فیصلہ آنے والی نسلوں اور تاریخ کے طالب علموں پر ہے کہ وہ ان دستاویزات کی روشنی میں سچ اور جھوٹ کا تعین کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے خود کو "برطانوی حکومت کا سعادت مند بیٹا" قرار دیا ہو، اسے تحریکِ آزادی کا ہیرو تسلیم کرنا ان لاکھوں گمنام مجاہدین کی قربانیوں کی توہین ہے جنھوں نے پھانسی کے پھندے کو چوم لیا مگر معافی نامہ نہیں لکھا۔

حفظانِ صحت

ماحولیاتی تبدیلی

ایک خاموش خطرہ اور ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر ام فرح۔ ایم. ڈی (ڈرمیٹولوجی)

انسانی تاریخ میں ترقی ہمیشہ سہولت، آسائش اور خوش حالی کی علامت سمجھی جاتی رہی ہے، مگر موجودہ دور میں یہ ترقی ایک ایسی قیمت مانگ رہی ہے جس کا خمیازہ پوری انسانیت کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ صنعتی انقلاب، جدید ٹیکنالوجی اور تیز رفتار طرزِ زندگی نے جہاں زندگی کو آسان بنایا ہے، وہیں ماحولیات کو شدید نقصان بھی پہنچایا ہے۔ آج زمین، فضا اور پانی آلودگی کی لپیٹ میں ہیں اور یہ صورت حال مستقبل کے لیے ایک خاموش مگر خطرناک بحران کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی: ایک بڑھتا ہوا خطرہ

ماحولیاتی آلودگی میں مسلسل اضافہ انسانی صحت اور قدرتی نظام دونوں کے لیے شدید خطرہ بن چکا ہے۔ آلودہ فضا سانس کی بیماریوں، دمہ، الرجی اور دل کے امراض کو جنم دے رہی ہے، جبکہ آلودہ پانی ڈائریا، ہیضہ اور دیگر متعدّی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح زمین کی آلودگی خوراک کے معیار کو متاثر کر کے انسانی جسم میں زہریلے اثرات منتقل کر رہی ہے۔

بچوں، بزرگوں اور کمزور مدافعتی نظام رکھنے والے افراد پر آلودگی کے اثرات کہیں زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج صحت کے ماہرین ماحولیاتی آلودگی کو ایک خاموش قاتل قرار دے رہے ہیں۔

عالمی سطح پر ماحولیاتی شعور کا آغاز

دنیا میں ماحولیاتی تحفظ کی اہمیت کو پہلی بار منظم انداز میں 1972ء میں تسلیم کیا گیا۔ اسی سلسلے میں ہر سال پانچ جون کو عالمی یومِ ماحولیات منایا جاتا ہے، جس کا مقصد عوام میں یہ شعور پیدا کرنا ہے کہ فطرت کا تحفظ دراصل انسان کی اپنی بقا سے جڑا ہوا ہے۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اگر آج ہم نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو آنے والی نسلوں کو شدید ماحولیاتی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

فضائی آلودگی اور صنعتی ترقی:

عہدِ حاضر کو صنعتی ترقی کا دور کہا جاتا ہے۔ دنیا کا ہر ملک معاشی استحکام اور صنعتی ترقی کی دوڑ میں شامل ہے، مگر اس دوڑ نے ماحولیات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ فیکٹریوں کی چمنیوں سے نکلنے والا دھواں، گاڑیوں سے خارج ہونے والی زہریلی گیسیں اور ایندھن کا بے تحاشہ استعمال فضائی آلودگی میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔

درختوں کی بے دریغ کٹائی نے اس مسئلے کو مزید سنگین بنا دیا ہے۔ درخت نہ صرف آکسیجن فراہم کرتے ہیں بلکہ فضا کو صاف رکھنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی کمی کے باعث درجۂ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے، جسے عالمی حدّت (Global Warming) کہا جاتا ہے۔

عالمی حدّت اور موسمی تبدیلیاں:

عالمی حدّت آج دنیا کا ایک بڑا ماحولیاتی مسئلہ بن چکی ہے۔ برفانی تودوں کا تیزی سے پگھلنا، سمندری سطح میں اضافہ، غیر متوقع بارشیں، سیلاب اور شدید گرمی کی لہریں اسی مسئلے کے اثرات ہیں۔ یہ تبدیلیاں نہ صرف انسانی زندگی بلکہ زراعت، آبی ذخائر اور جنگلی حیات کے لیے بھی خطرہ بن چکی ہیں۔

ماحولیاتی نظام اور فطری توازن:

زمین، پہاڑ، دریا، جنگلات، صحرا اور تمام جان دار مل کر ایک مربوط ماحولیاتی نظام بناتے ہیں۔ یہ تمام عناصر ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اور فطرت کے اس توازن میں معمولی سی تبدیلی بھی بڑے نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ انسان نے اپنی غیر ذمہ دارانہ سرگرمیوں کے ذریعے اس فطری توازن کو شدید نقصان پہنچایا ہے، جس کا نتیجہ آلودگی، بیماریوں اور قدرتی آفات کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔

صرف حکومت نہیں، ہر فرد کا فرض:

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ماحولیاتی تحفظ حکومتوں یا بین الاقوامی اداروں کی ذمہ داری ہے، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ماحولیاتی ذمہ داری ایک اجتماعی فرض ہے، جس میں ہر فرد کا کردار اہم ہے۔ اگر ایک عام انسان اپنی روزمرہ زندگی میں معمولی سی تبدیلی بھی لے آئے تو مجموعی طور پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

ایک عام انسان کیا کر سکتا ہے؟

عام شہری درج ذیل اقدامات کے ذریعے ماحول کے تحفظ میں حصہ ڈال سکتا ہے:

- گھریلو کچرے کو کھلی جگہوں پر پھینکنے کے بجائے مناسب ڈبوں میں ڈالنا
- گیلا اور خشک کچرا الگ رکھ کر کچرے کے بہتر انتظام میں مدد کرنا
- پلاسٹک کے تھیلوں کے بجائے کپڑے یا کاغذ کے تھیلے استعمال کرنا
- پلاسٹک، شیشہ اور کاغذ کو دوبارہ استعمال یا ری سائیکل کرنا
- پانی اور بجلی کے بے جا استعمال سے گریز کرنا
- غیر ضروری گاڑیوں کے استعمال سے پرہیز اور پیدل چلنا یا سائیکل اپنانا۔
- درخت لگانا اور موجودہ درختوں کی حفاظت کرنا۔
- صفائی کو ذاتی عادت اور سماجی ذمہ داری سمجھنا۔

کچرے کا درست انتظام: ایک مؤثر حل

ماحولیاتی آلودگی پر قابو پانے کے لیے کچرے کا درست انتظام بے حد ضروری ہے۔ گھریلو نامیاتی فضلے سے کھاد تیار کی جا سکتی ہے، جب کہ غیر نامیاتی کچرے کو مناسب طریقے سے ری سائیکل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح نہ صرف آلودگی میں کمی آتی ہے بلکہ قدرتی وسائل کا تحفظ بھی ممکن ہوتا ہے۔

میڈیا اور عوامی شعور کا کردار:

میڈیا، تعلیمی ادارے اور سماجی تنظیمیں ماحولیاتی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اگر لوگوں کو بروقت اور درست معلومات فراہم کی جائیں تو وہ ماحول دوست طرزِ زندگی اپنانے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

آج کا عمل، کل کا مستقبل:

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ ماحولیاتی تحفظ کسی ایک دن یا ایک مہم تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے جو ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ بننا چاہیے۔ اگر ہم آج ذمہ داری کا مظاہرہ کریں تو آنے والی نسلوں کو ایک صاف، سرسبز اور محفوظ دنیا دی جا سکتی ہے۔ یاد رکھیے، فطرت کا تحفظ دراصل انسان کی اپنی بقا کا تحفظ ہے۔

لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ترقی کے مفہوم کو ازسرِنو سمجھیں اور اسے صرف معاشی نمو یا مادی آسائش تک محدود نہ رکھیں، بلکہ اسے فطرت کے ساتھ ہم آہنگی کے اصول پر استوار کریں۔ حقیقی ترقی وہی ہے جو انسان کو سہولت بھی دے اور زمین کو سلامت بھی رکھے۔ اگر ہم نے اپنی عادات، ترجیحات اور پالیسیوں میں ماحول دوست تبدیلیاں نہ کیں تو آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ آج کا شعور، آج کا فیصلہ اور آج کا عمل ہی کل کی زمین کو محفوظ بنا سکتا ہے۔ □□□

چراغ خانہ

حلالہ کی حقیقت اور جدید اعتراضات کا علمی جائزہ

سلمیٰ شاہین امجدی

آج کا دور فتنوں کا دور ہے۔ ہر سمت سے اسلام پر فکری اور تہذیبی حملے ہو رہے ہیں۔ کبھی تحریروں کے ذریعے، کبھی میڈیا مباحثوں کے ذریعے اور کبھی سوشل میڈیا کی مہمات کے ذریعے۔ ان حملوں کا ایک بڑا ہدف اسلام کا عائلی نظام ہے۔ طلاق، خلع اور حلالہ جیسے احکام کو سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنے دین کے متعلق بدگمانی پیدا ہو۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جو ہر اسلامی حکم کو عورت پر ظلم کا عنوان دیتا ہے، اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے نکاحِ تحلیل (بناوٹی حلالہ) کو باقاعدہ ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔ ایسے نازک ماحول میں ضروری ہے کہ اس مسئلے کو جذبات کے بجائے قرآن و سنت اور مستند فقہی مصادر کی روشنی میں سمجھا جائے۔

لغت میں حلالہ عربی لفظ حَلَّ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں کھول دینا یا حلال کر دینا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ تحلیل اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ (لسان العرب، دار صادر، بیروت، ط 3، 1414ھ، جلد11، مادہ: ح ل ل، ص162)

اصطلاحِ فقہ میں حلالہ سے مراد وہ صورت ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے اور عدت بھی گزر جائے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے صحیح، باقاعدہ اور حقیقی نکاح کرے، ازدواجی تعلق قائم ہو، پھر وہ نکاح کسی وجہ سے ختم ہو جائے۔ اس مسئلے کی فقہی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ (ملاحظہ ہو: الہدایہ، کتاب النکاح، باب التحلیل)۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ○

پھر فرمایا: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. (سورۃ البقرہ:230)

اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت انتہائی دگرگوں تھی۔ جاہلیت کے دور میں مرد اپنی بیوی کو جب چاہتا طلاق دیتا، جب چاہتا رجوع کر لیتا، اور اس سلسلے کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ عورت نہ گھر کی رہتی، نہ آزاد۔ بس ایک غیر یقینی تعلق کی زنجیر میں جکڑی رہتی۔ اسی ظلم کو ختم کرنے کے لیے قرآنِ کریم نے طلاق کی تعداد کو دو تک محدود کیا، تیسری طلاق کے بعد رجوع پر پابندی لگائی اور واپسی کے لیے ایک فطری اور قانونی شرط رکھی۔ اس نظام کا مقصد عورت کو معلق رکھنے کی جاہلی رسم کا خاتمہ تھا، نہ کہ اس پر کوئی نئی تکلیف۔ یوں اسلام نے طلاق کے نظام میں اصلاح کر کے عورت کو وہ تحفظ دیا جو اس سے پہلے کسی قانون نے نہیں دیا تھا۔

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ طلاق کا دروازہ کھلا ضرور ہے، مگر بے لگام نہیں۔ امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ تیسری طلاق کے بعد رجوع کی ممانعت مرد کے لیے زبردست تنبیہ ہے تاکہ وہ طلاق کو کھیل اور جذباتی ہتھیار نہ بنائے۔

(تفسیر کبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد6، ص113)

اس حکم میں عورت کو معلق رکھنے کی جاہلی رسم کا خاتمہ اور خاندانی نظام کی حفاظت مضمر ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے نہایت سخت الفاظ میں فرمایا:

بنت نعیم اللہ، ابراھیم پور، اعظم گڑھ

لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ.

(سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی التحلیل: 2076)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نکاح جو پہلے سے طے شدہ نیت کے ساتھ محض حلال کرنے کے لیے کیا جائے، شرعًا قابلِ مذمت ہے۔

ائمۂ اہلِ سنت نے بھی اس مسئلے کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نکاح اس نیت یا شرط کے ساتھ ہو کہ بعد میں طلاق دے کر پہلے شوہر کے لیے حلال کرے گا تو یہ نکاحِ تحلیل ہے، جو حرام اور موجبِ لعنت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، جلد 11، ص 285–289)

اسی طرح صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی لکھتے ہیں کہ اگر نکاح کی بنیاد ہی اس نیت پر ہو کہ عورت کو طلاق دے کر پہلے شوہر کے لیے حلال کرنا ہے تو یہ گناہ اور ناجائز ہے۔

(بہار شریعت، مکتبۃ المدینہ، کراچی، حصہ 7، ص 156)

اس تناظر میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی فقہ میں نکاح کی بنیاد رضا، ارادے کی سلامتی اور نیت کی صداقت پر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔

(صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث: 1)

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

یہ اصول اسلامی فقہ کی بنیادی اساس ہے اور نکاح و طلاق دونوں پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔ جب نکاح کی اصل نیت ہی عارضی ہو، کسی قانونی رکاوٹ کو ہٹانا مقصود ہو اور زوجیت کا حقیقی ارادہ موجود نہ ہو، تو ایسا نکاح شریعت کی روح کے سراسر خلاف ہوتا ہے۔ ایسے نکاح میں نہ تو گھر بسانے کا ارادہ ہوتا ہے، نہ ذمہ داری اٹھانے کا، نہ ساتھ نبھانے کا عہد۔ بس ایک ظاہری خانہ پُری ہوتی ہے جو شریعت کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ نکاح میں نیت کا فساد خود نکاح کو مشکوک بنا دیتا ہے، اور جو نکاح محض حیلے کے طور پر کیا جائے وہ اللہ کی نظر میں مردود ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 7، ص 156)

اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں سے واقف ہے، اس لیے شریعت ظاہری خول کو نہیں بلکہ باطنی نیت کو دیکھتی ہے، اور اسی بنیاد پر بناوٹی حلالہ کو حرام اور موجبِ لعنت قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ شریعت میں حلالہ نام کی کوئی مستقل عبادت یا ترغیب یافتہ رسم نہیں۔ یہ محض تین طلاق کے بعد پیدا ہونے والی ایک قانونی صورت کا بیان ہے۔ اگر دوسرا نکاح حقیقی ہو، بے غیر کسی خفیہ شرط کے، اور فطری انداز میں قائم ہو، پھر کسی سبب سے ختم ہو جائے تو پہلی زوجیت کی طرف واپسی کی گنجائش بنتی ہے۔ لیکن پہلے سے طے شدہ یا وقتی نکاح شریعت کی روح کے خلاف ہے اور اسی کو حدیث میں موجبِ لعنت قرار دیا گیا ہے۔

مزید برآں، تین طلاق ایک ساتھ دینا اگرچہ بعض فقہی مذاہب میں واقع ہو جاتی ہے، مگر اسے سخت ناپسندیدہ اور خلافِ سنت طریقہ کہا گیا ہے۔ سنت یہ ہے کہ طلاق الگ الگ طُہر میں دی جائے تاکہ اصلاح، رجوع اور غور و فکر کا موقع باقی رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد طلاق کو آسان بنانا نہیں بلکہ اسے آخری چارۂ کار کے طور پر رکھنا ہے۔

آج کے دور میں جو لوگ حلالہ سروس کے نام سے پیسے لے کر یہ فعل انجام دیتے ہیں، وہ نہ صرف شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ اسلام کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے اعمال کی کھلی مذمت اور روک تھام ضروری ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح و طلاق کے احکام عام کیے جائیں، نوجوانوں کو دینی تعلیم دی جائے اور جذباتی فیصلوں سے بچنے کی تربیت دی جائے۔

اس پورے مباحثے میں ایک اہم پہلو جو اکثر نظر انداز ہو جاتا ہے وہ عورت کا حقِ خلع ہے۔ اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار دیا تو ساتھ ہی عورت کو بھی یہ حق دیا کہ اگر نکاح میں اس کے لیے نباہ ممکن نہ ہو تو وہ قاضی کے ذریعے نکاح ختم کروا سکتی ہے۔ یہ حکم قرآنِ کریم کی اس آیت سے ملتا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ○ (سورۃ البقرہ:229)

ترجمہ: اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت کے فدیہ دے کر چھوٹ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔

خلع کا یہ حق اسلام کی اس وسعت اور عدل کی دلیل ہے کہ وہ عورت کو کسی ظالمانہ اور ناگوار رشتے میں قید نہیں رکھتا۔

صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی لکھتے ہیں کہ خلع عورت کا شرعی حق ہے اور جب نباہ ممکن نہ رہے تو اسے استعمال کرنا جائز ہے۔ (بہار شریعت، حصہ 7)

معاشرے میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ طلاق کے بعد عورت کے پاس کوئی راستہ نہیں اور وہ بالکل بے بس ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ شریعت میں عورت کے حقوق کا ایک مکمل اور متوازن نظام موجود ہے جس میں مہر کا تحفظ، عدت کے دوران نفقہ، بچوں کی پرورش کا حق اور دوبارہ نکاح کی مکمل آزادی شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ.

(سنن ترمذی:3895)

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام مرد کو گھر کا ذمہ دار بناتا ہے، ظالم نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اور دینی ادارے ان حقوق کو عوام تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں، خواتین کو ان کے شرعی حقوق سے آگاہ کریں تاکہ نہ عورت ظلم کا شکار ہو، نہ جہالت کی وجہ سے غلط راستہ اختیار کرے اور نہ شریعت کا نام بدنام ہو

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا عائلی نظام حکمت، عدل اور توازن پر قائم ہے۔ اصل شرعی حکم خاندان کو سنجیدگی کے ساتھ قائم رکھنے کے لیے ہے، جب کہ بناوٹی حلالہ صریح حرام اور موجبِ لعنت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ دین کو اس کے مستند مصادر سے سمجھیں، افراط و تفریط سے بچیں اور معاشرے میں صحیح تعلیم کو فروغ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہمِ دین عطا فرمائے، ہمارے گھروں میں محبت و سکون قائم فرمائے اور ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آخر میں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اسلام کا عائلی نظام وقتی جذبات یا سماجی دباؤ پر نہیں بلکہ حکمتِ ربانی پر قائم ہے۔ طلاق، خلع اور دیگر احکام دراصل خاندان کو ٹوٹنے سے بچانے اور اگر ٹوٹ جائے تو عدل و وقار کے ساتھ الگ ہونے کا راستہ فراہم کرتے ہیں۔ شریعت نے نہ مرد کو بے لگام اختیار دیا ہے اور نہ عورت کو بے سہارا چھوڑا ہے، بلکہ دونوں کے حقوق و فرائض کو متوازن انداز میں مرتب کیا ہے۔ بناوٹی حلالہ جیسی قبیح صورتیں دراصل دینی احکام سے ناواقفیت اور تقویٰ کی کمی کا نتیجہ ہیں، جن کا اسلام کی اصل تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جذباتی نعروں یا میڈیا کے شور کے بجائے قرآن و سنت اور مستند فقہی مصادر کی روشنی میں مسائل کو سمجھیں۔ علما، خطبا اور اہلِ قلم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صحیح رہنمائی فراہم کریں، نکاح و طلاق کے آداب کو عام کریں اور نوجوان نسل کو سنجیدگی، برداشت اور ذمہ داری کا شعور دیں۔ جب معاشرہ علم اور تقویٰ کی بنیاد پر اپنے خاندانی نظام کو مضبوط کرے گا تو نہ فتنوں کو جگہ ملے گی اور نہ دین کے خلاف پھیلائی جانے والی بدگمانیاں اثرانداز ہو سکیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عدل، حکمت اور اعتدال کے ساتھ اپنے گھروں کو آباد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ■■■

فکر و نظر

اسلام اور نظامِ سیاست

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

پاکیزہ سیاست اہل اسلام کے عروج کا باعث

از: مولانا حافظ و قاری سید صغیر احمد نقشبندی، (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ)

سیاست کے لغوی معنی حکومت، حکمت عملی، تدبیر، پالیسی، ملکی معاملات کی تدبیر و انتظام کے آتے ہیں۔

سیاست کا صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ "حاکم اور محکوم" منزل من اللہ " قانون کے یکساں تابع ہو کر معاشرے میں اقدار حیات کے عادلانہ قیام، تحفظ اور فروغ کے لیے کوشش کی جائے۔ یہ تعریف جہاں آمریت و ملوکیت کا شدید رد کرتی ہے وہیں آج کی مغربی فکر کو بھی مسترد کرتی ہے۔ بلکہ یہ تعریف تمام انسانوں کو یکساں مقام عطا کرتی ہے اور ایک ہی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔

اسلام ایک مکمل اور آزاد دین ہے۔ یہ افکار و نظریات کے حصول کے لیے کسی مذہب کا محتاج نہیں بلکہ قرآن مجید اور سنت نبویہ کے مطالعہ سے سیاست، معیشت اور معاشرت کا ایک واضح اور روشن مستقل تصور سامنے آتا ہے۔

قرآن مجید متعدّد مقامات پر اس امر کی شہادت مہیا کرتا ہے۔ دین حق کا سیاسی غلبہ و استحکام صحیح طور پر بحال کیے بغیر معاشرے میں مطلوبہ اخلاقی انقلاب بپا نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک سیاسی انقلاب کے ذریعے معیاری دین بحال نہ ہو معمول بہ دین کی برکات اور ثمرات سے بہرہ ور نہیں ہوا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

" اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل امت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انھی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حق) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے (غلبہ و اقتدار کا ذریعہ) مضبوط و مستحکم فرما دیگا اور وہ ضرور اس تمکن کے باعث ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لیے امن و حفاظت کی حالت سے بدل دیگا۔ (سورہ نور)

سیاسی اقتدار کے بغیر دین کا استحکام ممکن نہیں:

اس آیت میں صالح مسلمانوں کو زمین میں خلافت یعنی حکومت و سلطنت اور قوت و اقتدار عطا کیے جانے کا ذکر ہے۔ اس کا مقصد یہی بیان کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے دین حق کو استحکام نصیب ہو اور شرعی قوانین و احکام کے نفاذ کا ماحول میسر

آئے۔ کیونکہ سیاسی اقتدار کے بغیر دین کا استحکام اور قوانین کا نفاذ ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ سیاسی انقلاب کے بعد ہی معاشرے سے خوف وغم کی حالت کو بدلا جاسکتا ہے اور اس کی جگہ امن وسلامتی کا ماحول پیدا کیا جاسکتا ہے۔

موجودہ سیاست میں جھوٹ، دھوکہ، فریب، مکر وغنڈہ گردی، آمریت شامل ہونے کی وجہ سے عرف عام میں مشہور ہو گیا ہے کہ اسلام میں سیاست درست نہیں، یہ بالکل غلط تصور ہے۔ دورِ حاضر میں پاکیزہ وبامقصد سیاست کیلئے قابل باصلاحیت، امانت دار، مسلمانوں کا سیاست میں داخل ہونا نہایت ضروری ہے۔

ہمارے نبی وسردار محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ایسی واضح مثالیں موجود ہیں جو آپ کی کمال درجہ سیاسی بصیرت وحکمت پر دلالت کرتی ہیں جن کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کس قدر دانشمندی اور دوراندیشی سے آپ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو حل کرتے تھے، اختلافِ آراء کو دور فرما دیتے تھے، معاہدے کرتے اور نبھاتے تھے، کسی مشکل سے نجات حاصل کرنی ہوتی تو کمال حسن کے ساتھ چھٹکارا حاصل کر لیتے، اور انتہائی دور بینی سے کام لیتے تھے، آپ کی زیرکی ودانائی کا نتیجہ تھا کہ ظاہری و باطنی مصلحتیں حاصل ہو جاتی تھیں، نفع و فائدہ حاصل ہوتا، برائی کا سد باب ہو جاتا، ذرائع کا بندوبست ہو جاتا، اور ہر کام اپنی اپنی جگہ پر مناسب انداز سے انجام پا جاتا، آپ کو ایسی کامیابی عطا ہوئی تھی کہ جو پہلے کسی کو نہیں ملی۔

آپ کی راست سیاست ہی کا نتیجہ تھا کہ جب آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو دیکھا کہ عقائد ونظریات کے اختلاف کی بنا لوگوں کے درمیان آپس میں محبت اور تال میل نہیں ہے تو آپ نے اپنے نظام میں ایسے قوانین جاری فرمائے جن کے تحت تمام لوگوں کے حقوق کا تحفظ، عقیدے کی آزادی، جان ومال اور عزت کی حفاظت کا مقصد حاصل ہو جاتا تھا اور تمام لوگ جو ریاست کے باشندے تھے ان کو اس بات کا یکساں طور پر مکلف کر دیا کہ وہ ہر طرح کی جارحیت سے اپنے شہروں کا دفاع اکھٹے ہو کہ کریں گے۔ اور امن و جنگ دونوں حالتوں میں ایک دوسرے کی حفاظت وضمانت پر کاربند رہیں گے، اور یہ قوانین ایک باقاعدہ دستاویز کی صورت میں قلمبند فرما دیئے، جو اس طرح ہے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یہ تحریر قریش ویثرب کے مومنین مسلمین کے بارے میں ہے اور اس کا تعلق ان سے بھی ہے جو ان سے لاحق ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ کاروبار میں شامل ہیں اور یہ سب ایک قوم ہیں۔ پھر آپ نے یہ واضح کیا کہ یہود میں سے جو ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں ان کے لیے ہماری مدد ہو گی، ان پر ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا اور بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں مسلمانوں کے لیے ان کا دین اور یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے یعنی ہر مذہب کے ماننے والوں کو ان کے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل رہے گی اور یہ دونوں باہم عہد کے پابند ہیں، پھر آپ نے باقی یہودیوں کے لیے بھی وہی کچھ روا رکھا جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے مقرر فرمایا۔ دستاویز میں یہ بھی لکھا گیا: یہود کا اپنا اور مسلمانوں کا اپنا نفقہ ہو گا، اور اس معاہدے کے لوگوں کے ساتھ جو بھی جنگ کرے گا تو اہل معاہدہ مل کہ اس کے خلاف جنگ کریں گے، ان کے درمیانی تعلقات کی بنیاد خیر خواہی، بھلائی اور نفع رسانی پر قائم رہے گی، ضرر رسانی اور گناہ پر مبنی نہ ہوگی۔

معاہدہ میں شامل تمام لوگوں پر یثرب (مدینہ منورہ) کے شہر میں خون ریزی حرام ہوگی۔ ہمسایہ بھی معاہدے کے حقوق میں شامل ہوگے۔ اس معاہدے میں شامل لوگوں کے مابین کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے اور فساد کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں فیصلہ اللہ اور اس کا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔

اس دستاویز کے ساتھ ہی مدینہ منورہ کی ساری قوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سمٹ آئی، معاہدے کا تقاضا ہی یہی ہوتا تھا کہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ کا حق آپ کو ہوگا، اور اس وقت سے ہی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالدی گئی جب سے یہ معاہدہ عمل میں آیا۔

آپ کی سیاسی بصیرت کا ایک واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خادم اور

ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا، انصاری نے انصاری ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارا اور حضرت عمر کے خادم نے مہاجرین کو آواز دی ایسے میں شدید لڑائی چھڑ جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ایسے میں جلتی پر تیل چھڑکنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت زید بن ارقم ابن ابی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ ابن ابی نے کہا: دیکھو مہاجرین نے یہ کیا کیا؟ انھوں نے تو ہمارے ہی وطن میں ہم سے جھگڑا کیا ہم پر مال و دولت میں فخر کیا، اور ہماری ان کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کسی نے کہا:

اپنے کتے کو فربہ کرو وہ تمھیں ہی کاٹے گا۔ خدا کی قسم! اگر ہم مدینہ پہنچے تو معزز ترین، وہاں سے ذلیل ترین کو ضرور نکال باہر کر دے گا، زید بن ارقمؓ نے یہ ساری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر سنائی، تو حضرت عمر نے کہا، یا رسول اللہ کسی کو حکم دیں کہ ابن اُبی کو قتل کر دے مگر اس کے جواب میں اس حکیم دانا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر یہ بات کیسی ہوگی کہ جب لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو مار ڈالتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے لشکر کو فوراً وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ بظاہر وہ وقت کوچ کا نہ تھا، بہر حال آپ لشکر کو لے کر وہ سارا دن اور اگلی رات سفر میں رہے تا آنکہ صبح ہوگئی، اگلے روز بھی مسلسل سفر میں رہے۔ دھوپ نے بہت تکلیف دی اور سارا لشکر تھک کر چور ہو گیا تو آپ نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور زمین کو چھوتے ہی سارا لشکر گہری نیند سو گیا۔ مسلسل سفر سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ لوگ اس فتنہ میں پڑنے اور غیض و غضب کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی پاکیزہ زندگی امت کی رہبری اور احکام کی پابندی، فتنوں کی سرکوبی، قوانین اسلام کے نفاذ کیلئے وقف تھی جس میں ہمارے لیے عظیم رہنمائی موجود ہے جو آپ نے قولاً نہیں بلکہ عملاً کر کے دکھایا اور ایسے واضح رہنمایانہ اصول وہدایت دیے کہ جن کو اپنانا احکام کیلئے ازبس ضروری ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اس واقعہ سے بھی واضح ہوتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج میں شدید عداوت و دشمنی تھی، معمولی سی بات کے لیے آپس میں لڑا کرتے تھے، اس قدیم دشمنی سے نت نئے واقعات رونما ہو رہے تھے، اس پر یہود فتنہ کی آگ الگ بھڑکا رہے تھے۔ آپ کے صحابہ جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی انھیں سوائے اس کے کوئی خوف نہ تھا کہ وہ ایک ایسی قوم کی پناہ میں تھے جو ان کے خاندانوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں انتہائی پیچیدہ صورت حال کا سامنا تھا مگر آپ نے کمال حکمت اور حسن تدبیر سے موقع و محل کو سمجھا اور پوری صورت حال کو حکمت و دانائی سے بہتر طور پر قابو میں کر لیا۔ بلاشبہ یہ آپ کی سیاسی دانش مندی کی دلیل ہے اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ہر مسئلہ کو حل کرنے کے اہل تھے، آپ نے فوری طور پر وہاں مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا اور اسی مسجد سے آپ نے دین و دنیا کی صلاح و فلاح و بہبود کی بنیادیں اٹھائیں، یہیں سے اسلامی قیادت کا آغاز ہوا اور یہیں سے دعوت الی اللہ کا غلغلہ بلند ہوا اور یہیں سے توحید و رسالت کا پرچار کیا جانے لگا۔ یہی مسجد تھی جہاں مومنین کی تربیت ہوتی، یہیں تمام سیاسی، عسکری اور انتظامی امور کے بنیادی خطوط طے کیے جاتے تھے، اسی مسجد میں وفود سے ملاقات فرماتے اور یہیں پر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہتا قرآن مجید نے اسلام کی سیاسی فکر و ادیان باطلہ پر اسلام کے سیاسی غلبے کے تصور کو دو آیات مبارکہ سے واضح کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(سورہ توبہ) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔ (سورہ توبہ)

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔ (سورہ توبہ)

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ "اللہ

کے نور" سے کیا مراد ہے؟ یاد رہے کہ اس جگہ "اللہ کے نور" سے مراد حضور نبی کریم کی ذات مطہرہ بھی لی جائے تو مفہوم وہی نکلتا ہے یعنی اسلام میں مرکز و محور چوں کہ حضور نبی کریم اللہ کی ذات گرامی ہے۔ اسلام کا وجود پیغمبر اسلام (سورہ توبہ) کی رسالت کے ساتھ قائم ہے۔ حضور نبی اکرم (سورہ توبہ) کو ہی اسلام تمام مذاہب پر غالب کرنا تھا لہٰذا کفار و مشرکین آپ کو سخت اذیتیں دیتے رہے۔ راہ استقامت سے ہٹانے کی اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی۔ حتیٰ کہ شہید کرنے کے درپے ہوئے۔ وہ مقصد یہ رکھتے تھے کہ اسلام کے چراغ کو گل کر دیں تاکہ غلبہ اسلام کی تحریک دب جائے اور منزل مقصود یعنی سیاسی غلبہ اسلام کو حاصل نہ ہو۔

دورِ حاضر میں پاکیزہ سیاسی بصیرت، اتحاد ہی مسلمانوں کو عروج کے منازل طے کرا سکتے ہیں، جن مسلمانوں میں قائدانہ صلاحیت ہے ان کا رضائے الٰہی کی خاطر آگے بڑھ کر قوم و ملت کی سیاسی رہنمائی کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء ہے کہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ■■■

اسلام کا سیاسی نظام اور دورِ حاضر

از: محمد حسین، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

موجودہ دور میں حکمرانوں اور سیاست دانوں نے سیاست کو ایک ایسی شناخت دے رکھی ہے اور اس کو اپنے مقصد اصلی سے اتنا دور کر دیا ہے کہ انسان سیاست کا نام سنتے ہی اپنے ذہن و فکر میں ایک ایسے برے سیاست داں کا تصور کر لیتا ہے جو جھوٹ، وعدہ خلافی، الزام تراشی، دھوکا دہی پر مبنی ہو اور جس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوں، جو اپنے مفاد کے لیے انسانیت کا گلا گھوٹتا ہو، جو ذات پات، مذہب وغیرہ کا نام لے کر دنگے کرواتا ہو، جو کسی بھی شخص پر اپنے طاقت کے بل بوتے ظلم کرتا ہو اور جو ناجائز طریقے سے پیسے کی اصولی کرتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

ایسی سیاست کو دیکھنے کے بعد انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اسلام کا سیاست سے کیا تعلق ہے؟ اور اسلام سیاست کی اجازت کیوں دے گا؟ یاد رکھیں اسلام کا ایسی گندی سیاست سے کوئی تعلق نہیں لیکن اسلام اور سیاست ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں کیوں کہ اسلام نے نہ صرف انسان کی انفرادی زندگی میں رہ نمائی فرمائی ہے بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی اس کا گہرا اثر باقی ہے۔

اسلام ایک نظام حیات ہے اور وہ انسان کے ہر گوشے اور ہر محاذ پر اس کی ہدایت و رہنمائی کرتا آیا ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے ہو، معاشیات سے ہو یا سماجیات سے ہو، یا پھر اس کا تعلق سیاسیات سے ہو وہ زندگی کے ہر پہلو پر راہ دکھاتا ہے اب ذرا سیاست کی صحیح تعریف جان لیں۔

اسلام میں سیاست اس فعل کو کہتے ہیں جس کے انجام دینے سے لوگ اصلاح کے قریب اور فتنہ و فساد سے دور ہو جائیں۔ قرآن میں سیاست کے معنیٰ حاکم کا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا، معاشرے کو ظلم و ستم سے نجات دلانا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا (برائی سے روکنا اور نیکی کی رغبت دلانا) اور رشوت وغیرہ کو ممنوع قرار دینا ہے۔

قرآن پاک میں ایسی متعدّد آیات ہیں جو سیاست کے مفہوم کو واضح کرتی ہیں بلکہ قرآن کا بیشتر حصہ سیاست پر مشتمل ہے مثلاً عدل و انصاف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مظلوموں سے اظہار حمایت و ہم دردی، ظالم و ظلم سے نفرت، اور اس کے علاوہ انبیا و اولیا کا انداز سیاست بھی قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سیاسی نظام اور اس کا اہم پہلو مدینہ منورہ سے شروع ہوتا ہے مکہ معظمہ سے

مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد قومی، سماجی اور بین الاقوامی ترقی اور امن و امان کے قیام کے لیے مہاجرین و انصار، مشرکین مدینہ اور اطراف مدینہ اور دیگر قبائل عرب بشمول کو مد نظر رکھتے ہوئے تقریبا 53 نکات پر مشتمل ایک آئین تیار کیا گیا جو میثاق مدینہ (دستور مدینہ) کے نام سے موسوم ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کا ایسا نظام قائم کیا کہ جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ آپ نے بھائی چارہ، عدل و انصاف، برابری، حقوق کو قائم کیا، یہودیوں کو مذہبی آزادی دی، قاتلوں کو سزا اور مظلوموں کو انصاف فراہم کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور خارجہ، تجارت، عدل و انصاف، صحت، صنعت، تعلیم اور حقوق انسانی سے متعلق واضح نظام ریاست بنایا بلکہ دنیا کو امور حکومت چلانا بھی سکھایا اور اس کے بعد خلفاے راشدین نے اپنے زمانوں میں حضور کی سنت پر پر عمل کرتے ہوئے انتظام اور بھی منظم کیے، یہاں تک کہ جانوروں کو بھی حقوق دیے گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بہترین دور تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساڑھے دس سال دور خلافت میں اسلامی ریاست ایران، بلوچستان، خراسان سے طرابلس تک پھیل گئی اور تقریبا 22 لاکھ پندرہ ہزار مربع میل تک اسلام کا دامن وسیع ہو گیا، جو تاریخ انسانی میں اس مدت میں ایک ریکارڈ ہے جس کو گولڈن پیریئڈ بھی کہا جاتا ہے آپ نے خلافت میں ایک ہزار سے زائد بلاد فتح فرمائے اور زمین پر عدل و انصاف راستی اور دیانت داری کی اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔ ایک طرف مخلوق خدا کے دلوں میں حق پرستی اور پاک بازی پیدا فرمائی تو دوسری طرف ایسا فلاحی نظام قائم کیا کہ ہر شخص کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری کیں، حتیٰ کہ جانوروں کے تحفظ کے لیے قوانین واضح فرمائے اور فرمایا کہ اگر دریائے نیل کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جائے تو اس کا ذمہ دار عمر ہو گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بار مسجد میں خطبہ دے رہے تھے ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا عمر ہم اس وقت تک خطبہ نہیں سنیں گے جب تک آپ یہ نہ وضاحت فرمائے کہ آپ کے پاس ہم لوگوں سے زائد کپڑے کیسے ہو گئے؟ اگر آپ نے برابر تقسیم کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میرا اللہ گواہ ہے یہ میرا بیٹا عبداللہ آپ کے سامنے ہے آپ اس سے معلوم کر سکتے ہیں دراصل جو کپڑے ملے تھے وہ مجھے نہیں آرہے تھے اس لیے میں نے اپنے بیٹے کے بھی کپڑے کو ملا کر ایک بنایا ہے۔

ذرا سوچیں! کہ اس وقت رعایا کو اتنا حق حاصل تھا کہ وہ بے خوف ہو کر خلیفہ سے سوال کر سکیں اور خلیفہ پر لازم تھا کہ وہ اس کی وضاحت کرے۔ کاش کہ آج کے حکمران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کو سامنے رکھ کر حکومت کریں تو پوری دنیا سے ظلم و جبر ختم ہو جائے اور انصاف کا بول بالا ہو جائے۔

آج جب کہ پوری دنیا یہ سوچتی ہے کہ ظلم و جبر کو ختم کیا جائے کرائم و جرائم کو روکا جائے اور معاشرے میں امن کو بحال کیا جائے جب کہ انصاف کے بغیر امن قائم کرنا

ناممکن ہے اس لیے معاشرے میں امن بحال کرنے کے لیے انصاف بہت مضبوط کرنا ہو گا۔

دنیا آج کرائم کو ختم کرنے کے لیے جرائم کو ہائی لائٹ کر رہی ہے م تو اس سے ظالموں کی طاقتوں میں اور اضافہ ہو رہا ہے ان کی ہمت و جراءت کو بڑھاوا مل رہا ہے کیوں کہ ان کرائم و جرائم کرنے والوں کے پشت پر کچھ گندے سیاست دانوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔

لیکن اگر حکومت کرائم کو ہائیلائٹ نہ کر کے انصاف کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے سزا کو ہائیلائٹ کرے تو مجرم اس سے سبق سیکھیں گے ان کی ہمتیں پست ہوں گی اور کافی حد تک کرپشن کا خاتمہ ہو گا اور معاشرے میں امن و امان قائم ہو گا۔

سیاست دانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی سیاسی نظام کو عمل میں لائیں اور اور خلفائے راشدین کی طرز سیاست اپنائیں تو ان شاء اللہ عزوجل ہمارا معاشرہ ترقی کے راہ پر گامزن ہو گا اور عوام خوش حال ہو گی!

■■■

گوشۂ ادب

سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری

مولانا طفیل احمد مصباحی

شاعری، شیشہ گری و مرصّع سازی کا فن ہے، لیکن نعت گوئی اس سے کہیں زیادہ دشوار اور عرق ریزی کا کام ہے۔ یہ مبارک صنف شیشہ گری، ادب آموزی اور عشق آفرینی کا فن ہے، جو محض اوزان و بحور کی پابندی، الفاظ و معانی کے حسن انتخاب، ردائف و قوافی کے مناسب، برمحل اور خوب صورت استعمال یا زبان و بیان کے مروجہ اصولوں کی پاس داری کا نام نہیں۔ نعت گوئی کے لیے ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزیں درکار ہیں۔ زبان و بیان کے مروجہ اصول و آداب کی رعایت کے علاوہ الفاظ کے انتخاب اور چناؤ میں شانِ رسالت کا حد درجہ پاس و لحاظ، معانی میں طہارت و نفاست، بیان میں صداقت و خلوص، حضور ممدوحِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و رفعت کا شدید عرفان و احساس، عشق و عقیدت، ربودگی و شیفتگی، فکر کی پاکیزگی، اضطراب و التہاب اور سوز و گداز جیسے عناصر و اجزا کی باہمی ترکیب و تشکیل سے ہی نعتیہ شاعری وجود میں آتی ہے۔ اردو ادب کی شعری روایت میں نعت گوئی کو تقدس و تفوق کا درجہ حاصل ہے۔ اردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا اور شروع سے ہی اس کی توتلی زبان پر حمد و نعت اور منقبت کے ترانے گونجنے لگے۔ اردو شعر و ادب اور بالخصوص تقدیسی شاعری کو فروغ دینے والے صوفیائے کرام ہیں۔ فارسی اور اردو کے سینکڑوں صوفی شعرا نے نعتیہ ادب کو فروغ بخشا اور خانقاہوں نے اسے پروان چڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ برّ صغیر پاک و ہند کی بیشمار خانقاہیں ایسی ہیں جہاں سے نعت گوئی کو کافی عروج حاصل ہوا، جن میں ایک نمایاں خانقاہ "خانقاہ عالیہ اشرفیہ، کچھوچھہ مقدّسہ" بھی ہے۔

مرکزِ روحانیت کچھوچھہ مقدّسہ معرفت و روحانیت کی نگری ہونے کے علاوہ علم و حکمت اور ادب و شاعری کا بھی گہوارہ رہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ غوث العالم، محبوبِ یزدانی سرکار سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ خود اپنے وقت کے ایک ممتاز اور قادر الکلام شاعر تھے اور اشرفؔ تخلص فرماتے تھے۔ حافظؔ شیرازی جیسے محرمِ اسرار صوفی کے ساتھ آپ کے دوستانہ مراسم تھے۔ شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی، علامہ حکیم سید نذرؔ اشرف کچھوچھوی، محدثِ اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی، شیخِ اعظم علامہ سید اظہار اشرف اشرفی الجیلانی، شیخ الاسلام حضرت سید مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی، مجاہدِ دوراں سید مظفر حسین کچھوچھوی، ڈاکٹر سید امین اشرف کچھوچھوی، ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی وغیرہم کی شاعرانہ عظمت و حیثیت سے دنیا اچھی طرح واقف ہے۔ مفکرِ ملت حضرت علامہ سید حسن مثنیٰ انورؔ کچھوچھوی علیہ الرحمہ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک خوب صورت کڑی ہیں، جن کی علمی و ادبی اور شعری عظمت مسلّم ہے۔ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (AMU) کے ایک ہونہار اور قابلِ فخر فرزند تھے۔ اس مایۂ ناز یونیورسٹی کے جیالوں میں ایک ممتاز نام مفکرِ ملت، سید حسن مثنیٰ انورؔ کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا بھی ہے، جو قدیم صالح اور جدید نافع کے حامل بزرگ تھے۔ آپ حضور محدثِ اعظم ہند کے بڑے صاحب زادے اور ان کے علمی و فکری جانشین تھے۔ علم و عمل، فضل و کمال، فکر و دانش، تدبّر و تفکّر، اخلاص و تقویٰ، اخلاق و کردار اور بصیرت و

سابق نائب مدیر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ tufailmisbahi@gmail.com

دانائی کے پیکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ہم عصروں میں "مفکّرِ ملت" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ علامہ سید حکیم نذر اشرف کچھوچھوی آپ کے سگے دادا اور عالمِ ربانی، سلطان الواعظین علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی آپ کے سگے نانا ہیں۔ علم و عرفان اور شعر و ادب کی دولت وراثت میں پائی تھی۔ دادا، پرنانا (حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں) اور والد صاحبِ دیوان شاعر گذرے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر اوصاف و کمالات کے علاوہ شعر و ادب میں بھی آپ کا پایہ کافی بلند ہے۔ ایک قادر الکلام شاعر، ممتاز غزل گو اور ایک کامیاب نعت گو کی حیثیت سے نمایاں شناخت رکھتے تھے۔ آپ کو مروجہ شعری اصناف پر استادانہ کمال حاصل تھی۔ تحقیقی ذوق، تنقیدی بصیرت اور ادبی بصیرت کے حامل تھے۔ انھوں نے نعت گوئی، منقبت نگاری اور غزل گوئی میں اپنے امتیاز و انفرادیت کا لوہا منوایا ہے۔

حضرت مفکرِ ملت اعلیٰ عصری تعلیم کے حصول کے لیے مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کا رخ کرنے والے خانوادۂ اشرفیہ کے پہلے شہزادے ہیں۔ آپ نے 1949ء میں اس یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور انٹرمیڈیٹ، بی. اے اور 1959ء میں ایم. اے کیا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، پروفیسر آل احمد سُرور، ڈاکٹر معین احسن جذبی، پروفیسر خلیق احمد نظامی اور ڈاکٹر مختار الدین آرزو (شہزادۂ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ) جیسے اساطینِ علم و ادب سے اکتسابِ فیض کر کے خود منبعِ فکر و دانش بنے۔ آپ کا شمار مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے ذہین، قابل اور ممتاز طلبہ میں ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں "علی گڑھ میگزین اردو" کی ادارت آپ کو سونپی گئی اور آپ نے یہ خدمت بحسن و خوبی انجام دی۔ علی گڑھ میگزین، علی گڑھ گزٹ، رسالہ ادیب، میگزین انجمن ترقیِ اردو وغیرہ جیسے ادبی رسائل و جرائد میں آپ کی بیش قیمت نگارشات شائع ہوئیں۔ حضرت مفکرِ ملّت کی تہ دار فکر و شخصیت اور ان کی کامیاب نعت گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سید سراج الدین اجملی (شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) لکھتے ہیں:

"رحمتِ دوام" کے مصنف سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی اپنی گوناگوں خصوصیات اور اپنے خاندانی پس منظر کے سبب ہندوستان کے علمی، تہذیبی اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ خاندان کے لحاظ سے ان کا تعلق حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کے دادا سید نذر اشرف اور والد ابو المحامد سید محمد کچھوچھوی (محدث اعظم ہند) اپنے علمی کمالات کے با وصف صاحبانِ دیوان شعرا کی حیثیت سے بھی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ گویا گھر میں تدیّن، تعلیم اور تخلیق تینوں کا چرچا شروع سے دیکھا۔ بغرض تعلیم بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں علی گڑھ تشریف لائے اور اپنی مذکورہ بالا خصوصیات کے سبب صفِ طلبہ میں نمایاں رہے 1955ء کے آس پاس کے رسائل و جرائد اور علی گڑھ کی تاریخ سے متعلق تحریروں میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ممتاز طلبہ کو یونیورسٹی میگزین کی ادارت سپرد کی جاتی ہے۔ سید حسن مثنیٰ انور کے ذمہ بھی یہ خدمت رہی اور آپ نے اس کا حق کما حقہ ادا کیا۔ اس زمانے کے اہم طلبہ اور بعد کے اہم صاحبانِ قلم میں تین نام تقریبًا ایک ساتھ لیے جاتے تھے: (۱) انور صدیقی، (۲) سید امین اشرف اور سید حسن مثنیٰ انور۔

ان کے یہاں نعتیہ شاعری کے مختلف پیرائے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت کے نت نئے انداز نظر آتے ہیں۔ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ نعت کے مضامین میں کسی طرح کی جدت یا کسی نوع کے اختراع کی مطلقًا اجازت نہیں ہوتی ہے اس لیے شاعر کو خواہ وہ کسی قدر زرخیز ذہن اور پُر گو طبیعت رکھتا ہو، اظہار کے ہنگام میں حزم و احتیاط اور ادب و احترام سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہم "رحمتِ دوام" کے صفحات پر اظہار کی ان کیفیتوں کو اور ادب کے ان تقاضوں کو صاف محسوس

کرسکتے ہیں۔ مجموعے کے بار بار مطالعے میں طبیعت کو عجیب سے سکون اور ایک خاص قسم کی کشش کا احساس ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کا دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کس نوعیت کا ہے۔ اشعار میں شیفتگی، والہانہ پن اور اظہارِ جذبات کی گوناگونی کے علی الرغم شاعر کے اپنے پس منظر کے سبب سے علمی اور فکری انداز کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ میری اس گفتگو پر "رحمتِ دوام" کے مختلف مقامات سے مچلتے ہوئے عقیدت کے پھول اور نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشعار دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔(رحمتِ دوام، ص: 22/21، 24، ناشر: اسپریچول پبلیکیشنز، دہلی)

فن کی گہرائی اور فکر کی بلندی:

فکر کی گہرائی فن کی گہرائی کو مستلزم ہے اور تخیّل کی پختگی ادب کی پختگی کا اشاریہ ہے۔ بلند افکار و خیالات، بلند پایہ ادب کو وجود بخشتے ہیں۔ ابنِ عربی، رومی، سعدی، حافظ، دانتے، ملٹن، غالب، اقبال اور شیکسپیئر کی تخلیقات آج اس لیے زندہ و پائندہ ہیں کہ ان کے افکار میں گہرائی اور خیالات میں پختگی ہے۔ ناقدینِ ادب، فن کی کامیابی کے لیے فکر کی گہرائی و پختگی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اختر اورینوی نے اپنے انٹرویو میں ایک جگہ صاف لفظوں میں کہا ہے کہ اعلیٰ ادب کے لیے ضروری ہے کہ فنکار صاحبِ فکر و نظر ہو۔ فکر میں جتنی پختگی ہوگی، اتنا ہی فنکار کی تخلیقات میں معیار و توازن پیدا ہوگا۔ مفکرِ ملت حضرت سید انورؔ کچھوچھوی کے فکر و فن میں گہرائی و پختگی ہے، جس کے نمایاں اثرات ان کی نعتیہ شاعری میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کی بلندیِ فکر، رفعتِ خیال اور گہرائیِ فن کو ظاہر کرتے ہیں:

قدیم ان کی ہے خلقت ظہور ان کا جدید
اب اس کے بعد ہے کیا قصۂ قدیم و جدید
کمالِ قرب کے لفظوں سے کچھ ہوا ظاہر
وہ اک اشارۂ قوسین کیا لگے ہے مجھے
تمھاری ذات رہی کوکبِ ازل کی نمود
ہر انتہا میں تری ابتدا لگے ہے مجھے
یہ بارگاہِ رسالت مآب ہے انورؔ
یہاں مجالِ سخن بھی خطا لگے ہے مجھے

شعری وادبی خصوصیات:

مفکرِ ملت حضرت انورؔ کچھوچھوی کی نعت گوئی بلند افکار، پاکیزہ خیالات، عمدہ اسلوب اور دلکش پیرایۂ بیان سے مملو ہے۔ نعت نگاری کے لیے جن شرائط و آداب، مقتضیات و لوازمات اور حزم و احتیاط کی رعایت ضروری ہے، ان کا بہر صورت خیال رکھا ہے۔ ان کا بعض نعتیہ کلام مواد و ہیئت کے لحاظ سے قابلِ قدر اور جدت و ندرت کے حامل ہے یعنی اس کے الفاظ و معانی بھی عمدہ ہیں اور پیرایۂ اظہار بھی حسن و دلکشی سے آراستہ ہے۔ مواد و ہیئت کے حسنِ امتزاج نے مندرجہ ذیل کلام کو وقار و معیار بخشا ہے۔ مثال پیش کرنے سے قبل یہ اقتباس ملاحظہ کریں، تاکہ ہیئت و مواد کی دلکشی کا اندازہ ہوسکے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

دوسری اصناف کی طرح شاعری بھی مواد اور ہیئت، معانی اور صورت کا ایک حسین امتزاج ہوتی ہے جس کو ایک دوسرے سے علاحدہ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ایک کے بغیر دوسرے کا وجود لایعنی معلوم ہوتا ہے۔ اسی امتزاج میں اس کے حسن کا راز مضمر ہے۔ اسی پر اس کی اچھائی اور برائی، بلندی اور پستی کا انحصار ہے۔ فن کا جمالیاتی پہلو اس حسین امتزاج کا دوسرا نام ہے۔ ہیئت اپنے وسیع مفہوم میں ایک طرف تو وہ طریقِ اظہار ہے جو فنکار استعمال کرتا ہے اور دوسری جانب جذبات سے بھرا ہوا وہ پُراثر اور کسی حد تک مانوس اظہارِ بیان ہے جو شاعر اور سامع کے درمیان رابطہ اور رشتہ کا کام دیتا ہے۔ اس میں زبان، زبان کی تمام آرائش، اثر اندازی کے تمام طریقے، مواد کے تمام سانچے، حسن اور لطافت پیدا کرنے کے تمام ذریعے اور ان سب سے بڑھ کر مواد کے ساتھ ہم آہنگی کا احساس

دلا کر ایک مکمل فنی نمونہ پیش کرنا سبھی کچھ شامل ہیں ۔(غزل اور مطالعۂ غزل، ص:165/162، ناشر:انجمن ترقی اردو، کراچی)

مفکرِ ملّت حضرت انوؔر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری میں مواد و ہیئت اور خوب صورت لفظ و معنی کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ مثلاً ان کی یہ نعت دیکھیں کہ اس میں مواد و ہیئت کے حسنِ امتزاج کے علاوہ تغزلانہ رنگ و آہنگ کیا ہی خوب ہے!

ذکر ان کا چھڑ گیا بڑھنے لگیں رعنائیاں
حسرتِ دیدار بھی لینے لگیں انگڑائیاں
مجھ کو ڈس لیتیں شبِ غم میں مری تنہائیاں
رحمتِ عالم کی کام آ ہی گئیں غم خواریاں
کیا جمالِ فکر و دانش کیا کمالِ آگہی
سب مکینِ گنبدِ خضریٰ کی ضو افشانیاں
ہم اسیرِ کاکلِ مشکیں ، ہمارا کیا حساب
نامۂ اعمال ، روز و شب کی آہ و زاریاں
فتنۂ فردا کے اندیشے سے دل ہے مضمحل
اجنبی لگنے لگی ہیں اپنی ہی پرچھائیاں

رنگِ تغزّل:

مفکرِ ملّت سید مثنیٰ انوؔر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری میں دیگر ادبی و شعری خوبیوں کے ایک نمایاں خوبی ان کا مخصوص "رنگِ تغزّل" بھی ہے۔ ان کے نعتیہ خیابان میں تغزّل کی گل کاریاں قارئین کو سحر انگیز اور روح پرور کیفیات سے دوچار کرتی ہیں۔ تغزّل کا لفظی معنی ہے: نظم کے اظہار میں غزلیت کا وصف اختیار کرنا۔ اصطلاحِ شعرا میں روایتی مفہوم میں عاشقانہ، رندانہ صوفیانہ اور فلسفیانہ وغیرہ موضوعات کا غزل میں نظم کیا جانا "تغزّل" کہلاتا ہے۔ اسے غزل کی شعریت یا غزلیت بھی کہہ سکتے ہیں، جو شعری تراکیب میں برتے جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ بقول سیماب اکبرآبادی:

تغزّل اس رنگ اور اسلوبِ بیان کو کہتے ہیں جو غزل میں استعمال کیا جاتا ہے تغزّل کا تعلق انسان کی لطیف ترین روحانیت اور نفسیات سے ہے۔ حسن و عشق، یاس و امید، وصل و فراق، انتظار و کامیابی اور اسی قسم کی مختلف فطری حالتوں کو گہرے تاثرات کے ساتھ مصوّر کرنے کا نام تغزّل ہے۔ غزل کی تعریف میں "با معشوق سخن گفتن" اور تغزّل کی تعریف میں "معاملہ بندی" کہہ کر خاموش ہو جانا غزل اور تغزّل دونوں کی توہین ہے۔ تغزل کو قدرتی طور پر نفسانیت سے پاک اور روحانیت سے لبریز ہونا چاہیے۔ تغزّل کے مختلف اسکول ہیں، لیکن حقیقی تغزّل وہی ہے جس کی بنیادیں جذباتِ لطیفہ پر قائم کی گئی ہوں اور جس میں ابتذال و رکاکت کا شائبہ تک نہ ہو۔ تغزّل صرف غزل سے مخصوص نہیں، جن کیفیات سے یہ وصف بیان میں پیدا ہوتا ہے اگر وہ مرثیہ اور مثنوی وغیرہ میں بھی ہوں تو ان اصناف کو تغزل سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔ (فرہنگِ ادبیات، ص: 253، ناشر: منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں)

تغزّل کی حقیقت جان لینے کے بعد سید انوؔر کچھوچھوی کا یہ نعتیہ کلام ملاحظہ کریں جو تغزّل کی اچھوتی مثال اور غزلیت کا دلکش نمونہ ہے۔ ہر مصرع ہمیں تغزّل کا پاکیزہ احساس دلاتا ہے اور شاعر کا اپنے ممدوح کے ساتھ والہانہ پن کو ظاہر کرتا ہے :

غمِ حیات بہار آشنا لگے ہے مجھے
دیارِ قُدس کی جانب کھنچا لگے ہے مجھے
ہر اک وجود ہے آئینہ دارِ کُن فیکون
ہر اک وجود میں جلوہ ترا لگے ہے مجھے
میں کھو گیا ہوں خیالات کے اجالوں میں
تمھاری یاد بڑی پارسا لگے ہے مجھے

نعت بمنزلۂ عمارت ہے اور عشق اس کے لیے نہ صرف ستون بلکہ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاعر کا دل جب تک عشقِ حقیقی کی جلوہ گاہ نہ ہو، نعتیہ شاعری وجود میں نہیں آسکتی۔ عشق جتنا سچا اور گہرا ہوگا، نعت کے اشعار اتنے ہی اعلیٰ، معیاری اور

پائدار ہوں گے۔عشقِ مصطفائی کا پاکیزہ اظہار نعت کا اہم موضوع رہا ہے۔ مفکرِ ملت حضرت انور کچھوچھوی کو عشقِ حقیقی اور معرفت و روحانیت کا بیش قیمت سرمایہ وراثت میں ملا تھا۔ سرکار سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے آپ روحانی فرزند اور سلسلہ اشرفیہ کے شیخ و مبلغ تھے ، اس لیے آپ کا سینہ عشقِ مصطفوی کا مدینہ بنا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتیہ شاعری میں عشق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ سامانیاں جابجا دیکھنے کو ملتی ہیں۔عشق و عقیدت سے مملو آپ نے اپنے کلامِ بلاغت نظام میں عشق و محبت کے موضوع کو خصوصیت کے ساتھ جگہ دی ہے اور اس کی سرفرازیوں کا قصیدہ پڑھا ہے ، کیوں کہ عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی انسان کو دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود سے ہمکنار کرتا ہے۔ فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی سے لبریز عظمتِ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمایاں کرنے والے یہ قیمتی اشعار ملاحظہ فرمائیں اور حضرت انور کچھوچھوی کی شاعری کی داد دیں :

آتشِ عشقِ نبی اور بڑھا دی جائے
سب کو آواز محبت کی سنا دی جائے
مغفرت کے لیے لازم ہے محبت انور
دل کی دنیا میں اسے خوب سجا دی جائے
آئے دنیا سے کہو گردشِ آلام لیے
دل ہے پھر عشقِ محمد کا بھرا جام لیے

حضرت انور کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری کا غائرانہ مطالعہ کرنے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان کی نعت گوئی میں عشق و ارادت ، کیف و سرور ، سوز و گداز ، اضطراب و التہاب اور والہانہ پن کے علاوہ روایت و درایت اور انفرادیت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعۂ کلام " رحمتِ دوام " میں شاید ہی کوئی ایسا شعر ہو جو لفظی و معنی محاسن سے خالی ہو۔ فصاحت و بلاغت ، سلاست و روانی اور طہارت و نفاست کا ایک خوب صورت سلسلہ قاری و سامع کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ، جذبے کی صداقت ، احساس کی لطافت اور خیال کی طہارت کے ساتھ لکھا ہے۔ ان کی نعت گوئی کمیت کے لحاظ سے مختصر سہی ، لیکن کیفیت کے لحاظ سے خاصے کی چیز ہے ، جس میں زبان و بیان کا حسن اور اسلوب کا والہانہ پن قارئین کے دامانِ دل کو اپنی طرف کھینچنے کا کام کرتا ہے۔ یہ اشعار دیکھیں اور راقم کے دعویٰ کی صداقت ملاحظہ کریں:

یادِ سرکارِ دو عالم کی گھنی چھاؤں میں
زندگی خوب سجاتی ہے غموں کی محفل
میم کا پردہ اٹھایا تو احد تک پہنچا!!
اسمِ احمد میں ہے پوشیدہ فسانہ دل کا
نہ کوئی فکر ، نہ اندیشۂ زیاں انور
کہ حال و ماضی و فردا حضور جانتے ہیں
آج بھی اس گلِ توحید کی خوشبو کے بغیر
کیا نظامِ چمنِ دہر کی رنگت دیکھو

شعریت و معنویت سے لبریز یہ اشعار اپنی زبانِ حال سے شاعر کی ادبی و شعری مہارتوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ مفکرِ ملت حضرت انور کچھوچھوی ہندوستان کے مایۂ ناز اور کامیاب نعت گو شعرا کی صفِ اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ قارئین اور بالخصوص محققین کو چاہیے کہ ان کے شعری ذخیروں کی طرف رجوع کریں اور مشامِ فکر و جاں کو معطّر کرنے والی ان کی تقدیسی شاعری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو تحقیق و ریسرچ کا عنوان بنائیں۔ آپ کی شاعری اور بالخصوص نعت گوئی پر مختلف طریقوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے، لیکن وقت کی قلت کے پیشِ نظر محض انھی ں چند باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت مفکرِ ملت کی غزل گوئی و منقبت نگاری پر بھی ایک مستقل مضمون آپ حضرات کی خدمت میں بہت جلد پیش کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ العزیز!

■■■■

صدائے بازگشت

خالص فنی مضامین کثرت سے شائع ہوں

بخدمتِ جناب مدیرِ اعلیٰ صاحب، ماہنامہ اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ جنابِ عالی! آپ بخوبی واقف ہیں کہ اسلامی تاریخ کا عظیم علمی ورثہ مخطوطات کی صورت میں موجود ہے، مگر ان کی فنی اصولوں کے مطابق تحقیق اور "توثیقِ نسبت" (مخطوطے کا مصنف کی طرف درست انتساب) کے حوالے سے اردو زبان میں مستند علمی مواد کی شدید کمی ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر، میں نے عصرِ حاضر کے نامور مصری محقق ابو عاصم البرکاتی المصری کے ایک نہایت اہم علمی مقالے کا سلیس اردو ترجمہ بعنوان **"مخطوطہ اور اس کے مؤلف کے درمیان توثیق نسبت، اصول وضوابط "** کیا ہے۔ یہ مقالہ اب تک اردو میں ترجمہ نہیں ہوا ہے، لہٰذا آپ کے معتبر مجلے میں اس کی اشاعت ایک علمی سبقت ہوگی۔ دورِ حاضر کا اہم تقاضا ہے کہ **اہلِ سنت کے علمی وتحقیقی مجلات** میں اس طرح کے خالص فنی مضامین کثرت سے شائع کیے جائیں تاکہ ہمارے مدارسِ اسلامیہ کے فضلا اور جامعات کے طلبہ میں تحقیقِ مخطوطات کا سائنسی ذوق پروان چڑھے اور ان کے علمی افق میں وسعت پیدا ہو۔ موضوع کی ندرت اور مسلکی وعلمی افادیت کے پیشِ نظر، مخلصانہ گزارش ہے کہ اسے آئندہ شمارے میں ترجیحی بنیادوں پر جگہ دی جائے تاکہ یہ فنِ تحقیق کی راہ میں ایک مشعلِ راہ ثابت ہو۔ مقالے کا ترجمہ اور راقم کا تحریر کردہ ابتدائیہ منسلک ہے۔

آپ کے مثبت جواب کا منتظر رہوں گا۔ والسلام

ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی

3 رمضان المبارک 1447ھ/21 فروری 2026ء

انسان کا سب سے محفوظ سرمایہ

مکرمی! علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے، سونے چاندی اور دیگر دھات پر مبنی تیار شدہ زیورات صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہیں لیکن علم ہر انسان کا زیور ہے اور یہی سب سے محفوظ زیور ہے، سب سے محفوظ سرمایہ ہے۔

دنیا کا مال واسباب چھینا جاسکتا ہے، دولت کو لوٹا جاسکتا ہے، بیگ سوٹ کیس، بیڈنگ، بکس، صندوق وغیرہ چوری کیا جاسکتا ہے لیکن علم لوٹا نہیں جاسکتا، علم چھینا نہیں جاسکتا، علم چوری نہیں کیا جاسکتا۔

چاہے انسان کسی بھی حالت میں ہو کسی مکان میں رہائش پذیر ہو یا سفر میں ہو، شہر میں ہو یا دیہات میں ہو، اپنے ملک میں ہو یا بیرون ملک میں ہو، امیر ہو یا غریب، سرمایہ دار ہو یا مزدور، ملازم ہو یا مدیر،، اس کے پاس علم ہے تو وہی سب سے محفوظ سرمایہ ہے،، کسی بھی تعلیم یافتہ انسان کو کوئی دوسرا انسان پریشان کر سکتا ہے، اسے مار سکتا ہے، اس کی ہڈیاں توڑ سکتا ہے لیکن چاہے کہ اس کا علم اس سے چھین لے تو یہ ناممکن ہے۔

علم روشنی ہے اور جہل اندھیرا ہے،، علم سے انسان کے اندر حرام وحلال کی تمیز آتی ہے، جائز اور ناجائز کی پہچان ہوتی ہے۔

کچھ لوگ سوال اٹھاتے ہیں کہ جن کے پاس علم ہے وہ

لوگ بھی ایسے کام کرتے ہیں جو مذہبی اعتبار سے درست نہیں ہوتے تو پھر جہاں یہ بات کہی جاتی ہے کہ علم سے انسان کے اندر حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی پہچان ہوتی ہے تو پھر وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی ایسا کیوں کرتے ہیں تو اس کا صحیح جواب تو یہی ہے کہ علم حاصل کرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہونا بھی ضروری ہے کہ اے اللہ میرے علم کے ساتھ تو اپنی رحمتیں شامل حال رکھنا،، اور کسی بھی تعلیم یافتہ شخص پر اللہ کی رحمتیں شامل حال ہوں گی تو یقینا اس کا قدم کبھی نہیں بہکے گا کیونکہ جس کے ساتھ اللہ کی رحمت شامل حال ہوگی تو اس کا اٹھایا ہوا ہر قدم ملک و ملت کے لیے نفع بخش ہوگا اور جو علم حاصل کرنے کے بعد اپنے علم پر گھمنڈ کرے گا تو ایسے شخص کا قدم کبھی بھی بہک سکتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے پر یہی بات سامنے اتی ہے کہ اکثر گمراہ وہی لوگ ہوئے ہیں جو تعلیم یافتہ رہے ہیں علم سے محروم کسی شخص کے گمراہ ہونے کی کبھی کوئی بات سامنے نہیں ائی ہے حال ہی میں بھی بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے جو گمراہ ہوئے ہیں تو وہ تعلیم یافتہ ہی رہے ہیں اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کچھ لوگ علم حاصل کرنے کے بعد ایسا راستہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ راستہ اندھیرے کی طرف جاتا ہے اس لیے علم حاصل کرنے کے بعد انھی ں اللہ کی ذات پر بھروسہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی عقل دماغ کا استعمال شروع کر دیتے ہیں اگر اللہ کی رحمت ان کے علم کے ساتھ شامل حال ہوتی تو وہ ایسا قدم ہرگز نہیں اٹھاتے اور اندھیروں وہ گمراہیوں کی طرف جانے والا راستہ کبھی نہیں اختیار کرتے خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی عقل اور دماغ کا استعمال کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچتے کہ یہ دل وہ دماغ عقل و شعور مجھے جو ملا ہے یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہی ملا ہے اور جسے اللہ رب العالمین کی ذات پر بھروسہ ہوگا تو وہ کہیں ناکام نہیں ہوگا بلکہ کامیابی ہوگا۔

علم سرمایہ ہے اور علم دین عظیم سرمایہ ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دین کی بھی تعلیم حاصل کریں اور عصر جدید کی بھی تعلیم حاصل کریں اسلام میں حافظ ہونے کا بہت بڑا مرتبہ ہے وہ والدین بہت خوش نصیب ہیں جن کی گود میں پلنے والے بچوں کو اللہ تبارک و تعالی نے اپنی ذمہ داری سونپی ہے ان کے نام کے ساتھ حافظ لگنا اللہ کے پیارے نام کے ساتھ جڑ جانا ہے اج کے دور میں ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ اپنے بچوں کو ڈاکٹر انجینئر ائی ایس ائی پی ایس ایم بی بی ایس افسر بنانا ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کے کام اسکیں اور ان کے اندر قوم کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو مگر اس سے پہلے انھی ں دینی تعلیم دے کر نیک انسان بنانا بھی بے حد ضروری ہے اس کے بغیر دونوں زندگیاں بے کار ثابت ہو سکتی ہیں۔

مدارس دینیہ کا قیام مقاصد نبوت میں سے ایک اہم مقصد ہے جہاں تک بات عصری تعلیم کی ہے تو یاد رکھیں کہ عصری تعلیم کی ضرورت بھی ہر دور میں رہی ہے اور ائندہ بھی رہے گی اسی لیے اب ایسے تعلیمی اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جہاں ایک ہی چھت کے نیچے دینی اور عصری تعلیم کا موثر انتظام ہو۔

علمائے کرام کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ شریعت اور سماج دونوں کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ٹھوس لائحہ عمل تیار کریں کیونکہ علمائے کرام شریعت کے ساتھ سماج و معاشرہ اور سوسائٹی کے بھی نمائندے ہوتے ہیں تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی مضبوط انتظام ہونا ضروری ہے کیونکہ تعلیم اور تربیت دونوں کا بڑا گہرا لگاؤ ہے جس شخص کے پاس تعلیم کے ساتھ بہترین تربیت بھی ہوتی ہے تو وہ ہر میدان میں کامیاب نظر آتا ہے ورنہ ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ اعلی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انسان خود کو اپنے سماج سے الگ کر لیتا ہے اور جس کے پاس تعلیم کے ساتھ بہترین تربیت بھی ہوتی ہے تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرے سماج کے لوگ اور میری ابادی کے لوگ بھی تعلیم یافتہ ہوں اور ایک تعلیم یافتہ کی یہی سوچ بھی ہونی چاہیے اسی کو علم نافع کہتے ہیں۔

از: جاوید بھارتی javedbharti508@gmail.com

ڈاکٹر جلال عبدالصادق محمد
ایک عظیم سائنسدان کی رحلت

عرب دنیا کے نامور عالم اور فزکس کے ممتاز سائنس دان اللہ کو پیارے ہوگئے، ان کا آخری وقت قید وبند کی صعوبتوں میں گزرا اور وہیں ان کی روح خاموشی سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ نہ کوئی شور، نہ جنازے کا اعلان، نہ کوئی تعزیتی بیان، نہ علمی حلقوں کی وہ پذیرائی، جس کے وہ مستحق تھے، بس ایک خبر، جو سلاخوں کے پیچھے دم توڑتی ایک روشنی کی داستان سناتی ہے۔

ڈاکٹر جلال عبدالصادق محمد جامعہ اسیوط کے شعبۂ طبیعیات کے سربراہ، ایک محقق، ایک معلم، عالمی سطح کے سائنس دان، ایک سنجیدہ مزاج استاد۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ درس وتدریس، تحقیق اور طلبہ کی تربیت میں گزرا۔ طبیعیات جیسے دقیق اور پیچیدہ علم میں انھوں نے برسوں تحقیق کی، مقالات لکھے اور نسلوں کو سائنسی شعور دیا۔ انٹرنیٹ پر ان کا تعارف تلاش کیجیے تو سیاست نہیں، بلکہ سائنسی جرائد میں شائع ہونے والی تحقیق، کانفرنسوں میں پیش کیے گئے مقالے اور یونیورسٹی کی علمی سرگرمیاں سامنے آتی ہیں۔ ان کے تحقیقی مقالوں میں ZnO فلموں (زنک آکسائیڈ) کے آپٹیکل خواص، الیکٹریکل خصوصیات اور تابکاری (گامارے) کے اثرات جیسے فزکس کے جدید موضوعات شامل ہیں، جو مواد اور آپٹیکل فزکس سے متعلق تحقیق کے اہم شعبے ہیں۔

وہ لیبارٹری اور لیکچر ہال کے آدمی تھے۔ کتاب اور قلم کے درمیان جیتے تھے۔ طبیعی قوانین کی باریکیوں میں طلبہ کو کائنات کی حکمت سمجھاتے تھے۔ مگر 2013 کے بعد مصر کی فضا بدل چکی تھی۔ ملک پر صہیونی قوت بندوق کے زور پر قابض ہوچکی تھی۔ ڈاکٹر جلال کو بھی گرفتار کیا گیا۔ ریاستی بیانیے کے مطابق وہ اخوان المسلمین سے وابستہ تھے۔ بس یہ الزام لگنے کی دیر ہوتی ہے، پھر آپ نوبل انعام یافتہ سائنسدان بھی ہوں، آپ کا خون نہ صرف حلال ہے، بلکہ عرب حکمرانوں کا مرغوب ترین مشروب بھی یہی لہو ہے۔

24 نومبر 2013ء کو 1975ء سے جامعہ اسیوط میں پڑھانے والے اس بوڑھے پروفیسر کو ناکردہ گناہوں کے سبب سلاخوں کے پیچھے مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ عمر بڑھتی اور صحت گرتی گئی، مگر رہائی نہ ملی۔ برسوں کی اسیری، بیماری اور تنہائی سے بالآخر 9 فروری 2026 کو انھیں ہمیشہ کے لیے رہائی مل گئی۔ 71 برس کی عمر میں، ایک ماہر طبیعیات، ایک استاد، ایک محقق، جیل کی دیواروں کے درمیان دنیا سے رخصت ہوگیا۔

یہ سوال تاریخ کے کٹہرے میں کھڑا ہے: کیا ایک عالم کا انجام یہی ہونا چاہیے؟ کیا درس گاہوں میں عمر گزارنے والے اساتذہ کو بڑھاپے میں زندان نصیب ہوں؟ اختلافِ رائے یا تنظیمی وابستگی خواہ وہ جس نوعیت کی ہو کیا اس کا جواب طویل قید اور طبی سہولتوں سے محرومی ہونا چاہیے؟ کیا انسانی حقوق کے عالمی ٹھیکیدار سب مر چکے ہیں؟ کیا ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ سائنسدان بھی صرف اسلام پسند ہونے کی وجہ سے جینے کے حق سے محروم ہوجاتا ہے؟ ڈاکٹر جلال عبدالصادق محمد اب اس دنیا میں نہیں رہے، مگر ان کی علمی خدمات، ان کے تحقیقی کام اور ان کے شاگرد ان کی گواہی دیتے رہیں گے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے، ان کی خطاؤں سے درگزر کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ از: ضیا چترالی

سرگرمیاں

خــیروخــبر

بہار: پنکچر ساز سرفراز نے اپنی والدہ کی یاد میں پُل تعمیر کردیا

بہار میں ایک پنکچر بنانے والے سرفراز انصاری نے اپنی والدہ کی یاد میں ایک پل کی تعمیر کی، جس سے ۴۰ر دیہات مستفیض ہورہے ہیں، یہ پل اس دریا پر بنایا گیا ہے، جس نے سرفراز انصاری کی والدہ کی جان لی تھی۔

بہار کے ضلع جموئی کے جھاجھا بلاک کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں، ایک شخص سرفراز انصاری جو پنکچر مرمت کرکے اپنا گزارا کرتا ہے، نے اپنی مرحوم والدہ کی یاد میں اپنی بچت اور سماج کے تعاون سے ایک پختہ پل تعمیر کیا ہے۔ اس پل سے آس پاس کے 40 دیہاتوں کو فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ دراصل یہ کہانی 2019 کی ہے، جب سرفراز کی والدہ مانسون کے دوران شدید بیمار پڑ گئیں۔ گاؤں میں مرکزی سڑک اور قریبی بازار سے منسلک ہونے کے لیے کوئی مناسب پل نہیں تھا، اور دریا شدید بارشوں کی وجہ سے طغیانی پر تھا۔ سرفراز کو اپنی بیمار والدہ کو اسپتال پہنچانے کے لیے بپھرے ہوئے دریا کے پار لے جانا پڑا۔ سرفراز نے بتایا ”یہ سفر خطرناک اور تھکا دینے والا تھا۔ جب تک وہ طبی امداد تک پہنچ پائے، ان کی والدہ انتقال کرچکی تھیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر وہاں پل ہوتا اور علاج تک جلد رسائی ہوتی تو شاید ان کی جان بچ سکتی تھی۔ اس دن مجھے لگا کہ دریا نے میری ماں مجھ سے چھین لی۔ میں سوچتا رہا کہ کوئی اور بیٹا اس طرح تکلیف نہ اٹھائے۔“

والدہ کی موت کے بعد، انھوں نے پل بنانے کا عزم کیا تاکہ خاص طور پر ہنگامی حالات میں کسی کو دوبارہ دریا پار کرنے کے لیے اپنی جان خطرے میں نہ ڈالنی پڑے۔ محدود مالی وسائل کے باوجود، انھوں نے پنکچر کی دکان سے اپنی روزانہ کی کمائی سے چھوٹی چھوٹی رقم بچانا شروع کردی۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ان کی بچت بڑھتی گئی۔ جب انھوں نے اپنا منصوبہ گاؤں والوں کو بتایا تو انھوں نے اس خیال کی حمایت کی اور رقم اور رضا کارانہ مزدوری کا تعاون کیا۔ یہ پل مکمل طور پر حکومتی امداد کے بغیر تعمیر کیا گیا۔ یہ پل تقریباً 25 فٹ لمبا، 13 فٹ چوڑا اور 8 فٹ اونچا ہے۔ رہائشیوں کے مطابق، اس سے تقریباً 4 دیہاتوں کے لوگوں کو براہ راست فائدہ پہنچے گا۔ پہلے، برسات کے موسم میں، رہائشیوں کو قصبے تک پہنچنے کے لیے کئی اضافی کلومیٹر کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ بہت سے لوگ دریا پار کرنے کی کوشش میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالتے تھے۔ بچوں کو اسکول جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا، کسانوں کو پیداوار منڈیوں تک پہنچانے میں دشواری ہوتی تھی، اور مریضوں کو اکثر اسپتال پہنچنے میں تاخیر کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اب پل کی تعمیر کے ساتھ، روزمرہ کی زندگی میں نمایاں بہتری متوقع ہے۔

ایک مقامی رہائشی نے کہا، ”برسوں تک، ہم نے پل کا مطالبہ کیا۔ ہم نے کبھی تصور نہیں کیا تھا کہ یہ ہم میں سے کسی کے ذریعے تعمیر ہوگا۔ سرفراز نے وہ کر دکھایا جو حکام بھی نہیں کر سکے۔“ ایک اور گاؤں والے نے مزید کہا، ”مانسون کے دوران، ہم دریا سے ڈرتے تھے۔ اب ہم محفوظ محسوس کرتے ہیں۔“ بعد ازاں مقامی نمائندوں اور عہدیداروں نے بھی اس کوشش کی تعریف کی ہے۔ ایک عہدیدار نے اسے ”سماج کی پہل اور عزم کی متاثر کن مثال“ قرار دیا۔

منکسر المزاج سرفراز نے کہا، ”میں کوئی بڑا آدمی نہیں ہوں، لیکن انسان کا دل بڑا ہونا چاہیے۔ مجھے اب بھی اپنی ماں کو کھونے کا دکھ ہے، لیکن مجھے سکون ملتا ہے کہ اب کسی اور ماں یا بیٹی کو اس کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جس کا سامنا میری ماں کو ہوا۔ دنیا کے لیے، یہ محض سیمنٹ اور لوہے کی سلاخوں سے بنا ایک پل ہو سکتا ہے، لیکن میرے لیے، یہ ایک پورا ہوا خواب ہے۔ میں نے

تھوڑا تھوڑا کر کے بچایا، اور گاؤں والوں کے تعاون سے، ہم نے یہ پل تعمیر کیا۔ لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھاتے دیکھنا میری سب سے بڑی خوشی ہے۔" جموئی کے بہت سے لوگوں کے لیے، یہ محض ایک پل نہیں ہے، بلکہ یہ عزم، عمل میں تبدیل ہونے والے غم، اور ایک فرد کی ہزاروں کی زندگیاں بدلنے کی طاقت کی علامت کے طور پر کھڑا ہے

(بشکریہ: روزنامہ انقلاب 28 فروری 2026)

تلنگانہ وقف بورڈ کے اعتراضات کے باوجود 800 سال پرانی درگاہ منہدم

تلنگانہ کے ضلع راجنہ سرسلہ کے علاقے ویمولہ واڑہ میں واقع صدیوں پرانی درگاہ حضرت تاج الدین خواجہ باغ سوار کے مبینہ انہدام کے بعد تلنگانہ حکومت شدید تنقید کی زد میں آگئی ہے۔ اس انہدامی کارروائی کے بارے میں ناقدین کا کہنا ہے کہ یہ کارروائی قریب کے 'شری راجہ راجیشور مندر' کی توسیع میں سہولت کے لیے انجام دی گئی ہے۔ اس اقدام پر تلنگانہ اسٹیٹ وقف بورڈ، سیاسی پارٹیوں اور سماجی تنظیموں نے سخت اعتراض کرتے ہوئے اس کی قانونی حیثیت پر سوالات کھڑے کیے ہیں۔

تلنگانہ اسٹیٹ وقف بورڈ کی جانب سے ضلع کلکٹر کو بھیجے گئے خط کے مطابق، یہ درگاہ 11 جنوری 1990 کے آندھرا پردیش گزٹ میں درج ہے اور باضابطہ نوٹیفائیڈ وقف جائیداد کی حیثیت رکھتی ہے۔ بورڈ نے واضح کیا کہ یہ درگاہ تقریباً 800 سال پرانی سمجھی جاتی ہے۔ یہ تاریخی طور پر ایسی جگہ رہی ہے جہاں مختلف مذاہب کے عقیدت مند امن و امان کے ساتھ عبادت کرتے رہے ہیں۔

تلنگانہ اسٹیٹ وقف بورڈ نے بتایا کہ انھیں تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ درگاہ کی ترقیاتی کمیٹی اور متولی نے مذہبی مقام کی منتقلی کی تجویز دیتے ہوئے رضامندی نامہ جمع کرایا تھا۔ تاہم، بورڈ نے وضاحت کی کہ نہ کمیٹی اور نہ ہی متولی کو 'این او سی' (عدم اعتراض سرٹیفکیٹ) جاری کرنے یا منتقلی کی اجازت دینے کا کوئی اختیار حاصل ہے۔ بورڈ کے مطابق، وقف جائیداد میں کسی بھی تبدیلی کی منظوری دینے کا اختیار صرف وقف بورڈ کے پاس ہے۔

بورڈ نے یہ بھی نوٹ کیا کہ متولی نے بعد میں اختیار کی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا خط واپس لے لیا تھا۔ بورڈ نے حکام پر زور دیا کہ وہ درگاہ کی موجودہ حالت میں مداخلت نہ کریں۔ اس نے خبردار کیا کہ منتقلی کی کوششیں علاقے میں امن و امان کے مسائل پیدا کر سکتی ہیں۔

حیدرآباد کی سیاسی جماعت ایم بی ٹی نے اس انہدامی کارروائی کو مذہبی آزادی سے متعلق آئینی تحفظات کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے تلنگانہ کے ریاستی اقلیتی کمیشن سے فوری مداخلت کی درخواست کی ہے۔ شکایت میں وقف بورڈ کی سابقہ کارروائیوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں کہا گیا تھا کہ واضح منظوری کے بغیر درگاہ کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔

ایم بی ٹی کے لیڈران نے دعویٰ کیا کہ مندر سے قربت کی وجہ سے درگاہ کو ہٹانے کے لیے طویل عرصے سے دباؤ کا سامنا تھا۔ انھوں نے الزام لگایا کہ موجودہ حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ ایم بی ٹی نے حکام سے مطالبہ کیا کہ وہ تفصیلی رپورٹ پیش کریں اور ضروری کارروائی کو یقینی بنائیں۔

کل ہند مجلس اتحاد المسلمین (اے آئی ایم آئی ایم) نے بھی درگاہ کے انہدام کی مذمت کرتے ہوئے اس کارروائی کو غیر قانونی قرار دیا اور اس واقعے کی آزادانہ انکوائری اور اس کی اصل جگہ پر درگاہ کی بحالی کا مطالبہ کیا ہے۔ پارٹی نے الزام لگایا کہ درگاہ کی منتقلی میں مقامی سیاسی مداخلت شامل ہے۔ ریاستی حکام نے ابھی تک ان الزامات پر کوئی عوامی ردِعمل جاری نہیں کیا ہے۔ (بشکریہ: روزنامہ انقلاب 26 فروری 2026)

■■■

خیابان حرم

نعتیں

(۱)

لب صادق سے اُن کے جو سخن تقریر ہو جائے
کبھی قرآن بن جائے ، کبھی تفسیر ہو جائے
خداوندا! میں کیا کہہ کر پکاروں اس تجلی کو
جو آغوش حرا سے اُٹھ کے عالمگیر ہو جائے
وہ چاہیں اور سر ارض و سما جھک جائے قدموں پر
وہ دیکھیں اور دل کون و مکاں تسخیر ہو جائے
تمنا ہے کسی شب خواب میں اُن کی زیارت ہو
تمنا ہے کسی شب خواب ہی تعبیر ہو جائے
قدیم جب بھی مرے اٹھیں ، مدینے کی طرف اٹھیں
یہی اک راستہ میرا خط تقدیر ہو جائے
میں تیرے گنبد خضرا سے جب لوٹوں تو یوں لوٹوں
یہ بیت النور میرے قلب پر تعمیر ہو جائے
میں جب دیکھوں جدھر دیکھوں جہاں دیکھوں، تجھے دیکھوں
تو میری آنکھ کی پتلی پہ یوں تحریر ہو جائے
مدینے سے ہمارا قافلہ چلنے کا وقت آیا
الٰہی قافلہ چلنے میں کچھ تاخیر ہو جائے
جسے میں مدح آنحضرت کے لائق کہہ سکوں عاصی"
اک ایسی نعت ساری عمر میں تحریر ہو جائے

عاصی کرنالی

(۲)

نظر بصد احترام روضے کی جالیوں سے گزر رہی ہے
مرا مقدر سنور رہا ہے مری طبیعت نکھر رہی ہے
نہ پوچھیے دل سے سبز گنبد کی جلوہ سامانیوں کا عالم
کہ ان کی مسجد میں جبہ سائی کو جیسے جنت اتر رہی ہے
یقین کرنا پڑا کہ کچھ ماورائے دیوار بھی ہیں جلوے
کہ بند آنکھوں سے نور کی ایک کیفیت سی گزر رہی ہے
مری نظر کیوں نہ معتبر ہو کہ اُن جلوے سمیٹ لائی
مری جبیں کیوں نہ سرخرو ہو کر پیش خیر البشر رہی ہے
یہ تاج والے ، یہ راج والے ، یہ مسند رشد و وعظ والے
کھڑے ہیں گم سم کہ خامشی ہی یہاں پہ عرض ہنر رہی ہے
جب انکی ٹھوکر میں آگئی ہے جب انکے قدموں سے چھو گئی ہے
اسی گھڑی سے زمین طیبہ جواب شمس و قمر رہی ہے
انھی کی سیرت کا معجزہ ہے انھی کی تعلیم کا کرشمہ
کہ آج دنیا جو آدمی کے حقوق کی بات کر رہی ہے
یہ کل متاع حیات اُن سے وجود عرفان ذات اُن سے
کہ ان سے پہلے تو زندگی اپنے آپ سے بے خبر رہی ہے
اس آرزو میں، میں ان کی گلیوں کے بام و در چومتا رہا ہوں
وہ خاک مرے لبوں سے مس ہو جو ان کی گردِ سفر رہی ہے
اگر مجھے اختیار ہوتا تو لمحے لمحے کو روک لیتا
کہ روز و شب کی تمام وسعت وہاں بڑی مختصر رہی ہے
میں اپنی بے چارگی کے باوصف سرؔو طیبہ تک آ گیا ہوں
مری فقیری ہی میرے مولا کے سامنے معتبر رہی ہے

سرؔو سہارن پوری

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

APRIL 2026

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122
www.aljamiatulashrafia.org
Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN